تو اس کے ساتھیوں نے کہا، تیرا وہ وعدہ کیا ہوا جو تیرا خدا تجھ سے کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا، یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے۔ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچالو۔ اس وقت دو حربے اس پر ایک ساتھ پڑے۔ ایک وحشیؓ بن حرب (قاتل حضرت حمزہؓ) نے پھینکا تھا اور دوسرا حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم انصاری نے جن کے بھائی حضرت حبیبؓ بن زید کو کچھ عرصہ پہلے مسیلمہ نے نہایت بیدردی سے شہید کر ڈالا تھا۔ یہ حربے پڑتے ہی مسیلمہ ہلاک ہو گیا اور مرتدین بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسیلمہ کذاب کا قتل فی الحقیقت حروب ردّہ کا خاتمہ تھا۔ اس لڑائی میں جو "جنگِ یمامہ" کے نام سے مشہور ہے۔ مرتدین کے دس ہزار (بروایت دیگر اکیس ۲۱ ہزار) آدمی مارے گئے اور جس جگہ وہ قتل ہوئے اس کا نام "حدیقۃ الموت" مشہور ہو گیا۔ مسلمان شہداء کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی ان میں تین سو مہاجرینؓ انصار تھے اور سات سو کلام اللہ کے حفّاظ تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک قاصد کو فتح کی خوشخبری دے کر مدینہ منوّرہ بھیجا۔ اس کے ساتھ بنو حنیفہ کا ایک وفد بھی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وفد کے اراکین سے فرمایا، افسوس تمہارے حال پر تم کس طرح مسیلمہ کذّاب کے فریب میں آ گئے؟ انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی کی التجا کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا، آخر اس کی تعلیم کیا تھی؟

انہوں نے کہا، اس کی وحی کا نمونہ یہ ہے:

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین۔ لنا نصف الارض ولقریش نصفٌ ولکن قریشًا قومٌ یعتدون۔

(اے مینڈک تو پاک ہے پاک۔ نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے۔ آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا، لیکن قریش تو ایک ظالم قوم ہے۔)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خرافات سن کر فرمایا:

"سبحان اللہ، تمہارے حال پر افسوس، یہ کلام جس میں معلق شانِ ربّانی

نہیں —— تم کو کہاں کھینچ لے گیا۔"

یہ وفد مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ہدایت کی کہ اب ہمیشہ اسلام پر قائم رہنا اور ایسے کام کرنا جن سے خدا اور رسول راضی ہو جائیں۔

فتنۂ ردّہ کے خاتمہ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ایک وادی الوبر میں مقیم ہو گئے۔ وہیں چند دن کے بعد (۱۲ محرم ۱۲ھ ہجری کو) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حکم ملا کہ مثنیٰؓ بن حارثہ کی مدد کے لیے عراقِ عرب روانہ ہو جاؤ اور اُبلّہ کی سرحد سے یلغار شروع کر دو۔

(۹)

حضرت ابوبکر صدیقؓ عرب کے داخلی خلفشار (فتنۂ ردّہ) پر قابو پا چکے تو انہوں نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست بیرونی دشمنوں کی طرف مبذول کی جو اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی روم اور فارس (ایران)۔ خلیفۃ الرسولؐ کے نزدیک اسلام کے ان بیرونی دشمنوں سے نپٹنا کس قدر اہمیت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا تو انہوں نے غصہ ہو کر جواب دیا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم مجھے معمولی کاموں میں الجھاتے ہو۔

ظہورِ اسلام کے وقت عرب (مملکتِ اسلامیہ) کی شمالی سرحد اُس دَور کی دو عظیم الشان سلطنتوں کی سرحدوں سے ملتی تھی۔ عراق سے مغرب کی طرف کا علاقہ (شام) روم الکبریٰ کی یا بزنطینی سلطنت کے زیرِ نگین تھا اور خود پورا عراق اور اس کے مشرق کی طرف کا علاقہ ایرانی شہنشاہیت کے زیرِ تسلط تھا۔ عراق سے متصل علاقے میں آباد عرب قبائل ایرانی سلطنت کے باجگزار یا زیرِ اثر تھے اور شام سے ملحق علاقے میں بسنے والے عربی قبائل رومی حکومت کی اطاعت اور حمایت کا دم بھرتے تھے۔

ان دونوں سلطنتوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ عرب اپنی کوئی طاقتور اور ان کے اثر سے

آزاد مملکت (حکومت) قائم کرلیں۔ چنانچہ کسریٰ (شاہِ ایران) اور قیصر (شاہ روم) دونوں کی آنکھوں میں عرب کی نوزائیدہ اسلامی مملکت خار کی طرح کھٹکتی تھی یہی سبب تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف معرکہ آرائی کا آغاز کیا۔

ایرانی حکومت کے باجگزار قبائل میں ایک قبیلہ "بنو شیبان" کا تھا۔ ۹ ہجری میں اس قبیلے نے اپنے ایک سردار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی سرکردگی میں ایک وفد مدینہ بھیجا جس نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ سنہ ۱۱ ہجری میں بحرین فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علاء حضرمیؓ کو مرتدینِ بحرین کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو جہاں ایرانی حکومت نے بحرین کے مرتدوں کی مدد کی وہاں "بنو شیبان" نے حضرت علاءؓ حضرمی کو بھرپور امداد دی۔ جب مرتدین کا پوری طرح استیصال ہو گیا اور اسلامی حکومت کا تسلط پورے عرب پر بحال ہو گیا تو حضرت مثنیٰؓ نے اپنے قبیلے کو ساتھ لے کر ایرانی اقتدار کے خلاف زبردست جدوجہد شروع کر دی۔ اس جدوجہد کے کئی محرکات تھے۔ سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ایرانی حکام اپنے زیرِ اثر عرب علاقوں کے باشندوں سے انسانیت سوز سلوک کرتے تھے۔ ان کی فصلیں تیار ہوتیں تو ایرانی حکام آتے اور سارا غلّہ سمیٹ کر لے جاتے اور عربوں کو بخشش کے طور پر چند سکے دے جاتے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ سلطنتِ ایران سیاسی خلفشار میں مبتلا ہو گئی تھی اور چار سال کے عرصے میں نو بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ ایران پر بیٹھ چکے تھے۔

تیسری چیز جس نے عربوں کو ایرانی ستم شعاروں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا حوصلہ بخشا، عرب میں ایک مضبوط (اسلامی) حکومت کا قیام تھا۔ حضرت مثنیٰؓ کئی ماہ تک چھاپہ مار جنگ کے ذریعے ایرانی حکومت کو سخت پریشان کرتے رہے لیکن صدیوں پرانی ایک وسیع و عریض سلطنت کو چھاپہ مار جنگ کے ذریعے مغلوب کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے حضرت مثنیٰؓ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر ایران کے سیاسی خلفشار اور اپنی مہموں کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔

اور درخواست کی کہ ان کی مدد کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی باتیں بڑے غور اور ہمدردی کے ساتھ سنیں اور پھر اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ان سے فرمایا کہ تم واپس جا کر بنو شیبان اور ان کے حلیف قبائل کو منظم کرو، جلد ہی تمہیں کمک پہنچ جائے گی اس وقت تک تم ایرانیوں سے کسی بڑی جنگ میں الجھنے سے احتراز کرو۔ مثنیٰؓ کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ مثنیٰؓ کی مدد کے لیے فوراً عراقِ عرب پہنچو اور اہلِ ایران کے خلاف مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔

حضرت خالدؓ ردّہ کے سلسلے کی لڑائیوں سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے اور ان کے ماتحت لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ ایک ہزار آدمی جنگِ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے، ایک بڑی تعداد زخمیوں کی تھی اور بہت سے مسلمان اپنے قبائل میں واپس چلے گئے تھے۔ پھر خلیفۃ الرسولؐ کی یہ ہدایت بھی تھی کہ کسی ایسے آدمی کو لشکر میں شامل نہ کرو جو ایک دفعہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوا ہو۔ لیکن حضرت خالدؓ بڑے بلند حوصلہ جرنیل تھے اور خواہ حالات کیسے ہی کٹھن ہوں ان کی جبین ہمت پر شکن نہ آتی تھی۔ وہ صرف دو ہزار مجاہدین کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ راستے میں قبائل مضر و ربیعہ کے مزید آٹھ ہزار آدمی لشکر میں شامل کیے اور یوں وہ دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق کی سرحد پر پہنچ گئے جہاں حضرت مثنیٰؓ نباج کے مقام پر آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی کل تعداد مل ملا کر اٹھارہ ہزار ہو گئی۔ اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید نے سنبھال لی۔

عراقِ عرب کی ابتدائی لڑائیوں کی ترتیب کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ سب سے پہلے اُبلہ پہنچے جو ایران کی ایک اہم بندرگاہ تھی۔ وہاں عرب اور ہندوستان کے بری اور بحری خطوط آ کر ملتے تھے اس لیے بڑی رونق رہتی تھی۔ اسی مقام پر ایرانی افواج اور مجاہدینِ اسلام کے درمیان حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں پہلا معرکہ برپا ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بانقیا اور بارسوما (باروسما) کو مسخر کرتے ہوئے اُبلہ کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے انہوں نے وہاں کے حاکم ہُرمُز کو ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا کہ:

"اگر تم لوگ سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول کر لو۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دو اور مسلمانوں کی پناہ میں آ جاؤ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر جو نتیجہ ہو گا اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ میں ایک ایسی قوم اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔"

ہرمز سلطنتِ ایران کے اوّل درجہ کے امراء میں سے تھا جس کا نشان یہ تھا کہ وہ ایک لاکھ درہم کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ وہ ایک انتہائی بدفطرت اور ظالم شخص تھا۔ اور اپنے علاقے کے عربوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا رہتا تھا اس لیے عرب اس سے سخت نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اگر انہیں کسی شخص کی خباثت کا ذکر کرنا ہوتا تو کہتے:

"فلاں شخص تو ہرمز سے بھی زیادہ شریر اور بدباطن ہے۔"

ہرمز کو حضرت خالدؓ کا خط ملا تو اس نے تمام حالات دربارِ ایران کو لکھ بھیجے اور خود ایک جرار لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ ایرانیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ان کے کئی دستوں نے اپنے آپ کو آہنی زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ رکھا تھا تاکہ کچھ بھی ہو جائے وہ میدانِ جنگ سے پیچھے قدم نہ ہٹائیں۔ کاظمہ کے قریب حضرت خالدؓ دشمن کے مقابل ہوئے۔ ایرانیوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اس لیے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر سے کہا، میری جان کی قسم پانی اس کا ہے جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور بہادر ثابت ہو۔

پھر انہوں نے حکم دیا کہ یہیں اترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کر لو۔ مسلمان یہ حکم سنتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ مکار ہرمز کو اس موقع پر ایک چال سوجھی، اس نے چند سوا

کمین گاہ میں چھپا دیئے اور آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ دعوتِ مبارزت دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی خالدؓ اپنی صفوں سے نکل کر آگے آئیں کمین گاہ میں چھپے ہوئے سوار اُن پر جھپٹ پڑیں اور قتل کر ڈالیں۔ حضرت خالدؓ ہرمز کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو ہرمز کے آدمی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ان کی طرف جھپٹے۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی دشمن کی نقل و حرکت پر بڑی کڑی نظر رکھ رہے تھے انہوں نے حضرت خالدؓ کو خطرے میں دیکھا تو اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر ایرانی سواروں کو گھیر لیا۔ ادھر حضرت خالدؓ نے ہرمز پر حملہ کر کے آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے ایرانیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ دیوانہ وار مسلمانوں پر پل پڑے۔ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن بالآخر سپہ سالار کی عدم موجودگی کے باعث ایرانیوں پر ہزیمت کے آثار نمودار ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا میمنہ اور میسرہ بالکل برباد ہو گیا۔ باقی لشکر بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس لڑائی میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایرانیوں نے جن زنجیروں سے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا وہ میدانِ جنگ سے جمع کی گئیں تو ان کا وزن تقریباً ساڑھے سات من نکلا، اسی وجہ سے اس معرکے کو "ذات السلاسل" بھی کہا جاتا ہے۔ مالِ غنیمت کا جو حصہ مدینہ منورہ بھیجا گیا اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ خلیفۃ الرسولؓ کے حکم سے اسے شہر میں پھرایا گیا۔ خواتین اسے دیکھتیں تو کہتیں:-

امن خلق اللہ ما نری

(کیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے؟)

گشت کے بعد یہ ہاتھی واپس عراق بھیج دیا گیا۔ مالِ غنیمت میں ہرمز کا مرصع تاج بھی تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ قیمتی تاج حضرت خالدؓ کو عطا فرمایا کیونکہ انہوں نے ہی ہرمز کو قتل کیا تھا۔

اس لڑائی کو جنگ کاظمہ اور ذات السلاسل کے علاوہ جنگِ حفیر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ لڑائی حفیر کے قریب ہوئی جو بصرہ سے چند میل کے

فاصلے پر واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معرکہ حفیر اور کاظمہ کے درمیان کسی مقام پر پیش آیا ہو۔

(۱۰)

جنگِ کاظمہ کے بعد حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر نے مذار کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے اور مسلمانوں پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ دراصل یہ لشکر شاہِ ایران نے اپنے ایک جرنیل قارن بن قریانس کی سرکردگی میں ہرمز کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ قارن کو واسط اور بصرہ کے درمیان واقع مذار کے مقام پر ہرمز کے حشر کا علم ہوا تو اس نے مذار کے قریب نہر ثنی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا — ہرمز کی شکست خوردہ فوج کے دو افسر قباذ اور انوشجان جو بچ کر نکل آئے تھے، قارن نے انہیں اپنی فوج کے میسرہ اور میمنہ کا افسر بنایا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی لیکن اس سے پہلے کہ قارن مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا، حضرت خالدؓ خود پیشقدمی کر کے مذار پہنچ گئے اور ایرانیوں کے مقابل ہوئے۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں قارن، قباذ اور انوشجان سمیت تیس ہزار ایرانی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں کچھ نہر ثنی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور دوسروں نے بڑی مشکل سے جانیں بچائیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو اتنا کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کے حصے میں تیس تیس ہزار درہم آئے۔

جب اردشیر شاہِ ایران کو مذار میں ایرانیوں کی عبرتناک شکست کی خبر ملی تو اس نے اپنے دو آزمودہ کار جرنیلوں اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے دو زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کی پیشقدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں لشکر وَلجہ کے مقام پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ حیرہ اور کسکر کے درمیان آباد عربی النسل عیسائیوں اور کسانوں کی ایک بڑی تعداد بھی ایرانیوں کی مدد کے لیے میدان میں آ گئی۔ اس طرح وَلجہ میں ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔ حضرت خالدؓ کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی خبر ملی تو انہوں نے سویدؓ بن مقرن کو چند دستوں کے ساتھ مذار میں چھوڑا اور خود باقی

لشکر کے ساتھ دلجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دلجہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سمندر کا ساحلی علاقہ ان کے بالکل قریب ہے اور اس میں جگہ جگہ کٹاؤ اور نشیب ہیں۔ اس موقع پر کثیر التعداد دشمن کو شکست دینے کے لیے ان کو ایک نہایت عمدہ جنگی تدبیر سوجھی، وہ یہ کہ تھوڑی تھوڑی فوج کو نشیبی جگہوں میں چھپا دیا اور خود چند مضبوط دستوں کے ساتھ دشمن کے مقابل ہوئے۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی جب ایرانی فوج پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہوئے تو حضرت خالدؓ نے کمین گاہوں میں چھپی ہوئی فوج کو حکم بھیجا کہ میدانِ جنگ میں پہنچ جاؤ۔ یہ فوج آناً فاناً دشمن پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹ پڑی۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے اور باقی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، اندرزغر بھی ان میں شامل تھا وہ صحرا میں پیاس کے مارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا البتہ بہمن بچ کر نکل گیا۔ جنگ کے بعد حضرت خالدؓ نے عام آبادی پر جزیہ عائد کر کے اس کو معافی دے دی۔

جنگِ دلجہ میں عربی النسل عیسائی قبائل کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے وہ اس کا انتقام لینے کے لیے اُلیس (کوفہ کے قریب عراقی سرحد پر ایک مقام) میں جمع ہو کر لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔ اُدھر بہمن دربارِ ایران میں پہنچا اور وہاں سے ایک بھاری لشکر لے کر اُلیس پہنچا۔ یہ لشکر اس نے علاقے کے ایرانی حاکم جابان کے سپرد کیا اور اس کو ہدایت کی میں دوبارہ شاہِ ایران کے پاس مشورہ کے لیے جا رہا ہوں تم میری واپسی سے پہلے جنگ نہ چھیڑنا۔ اسی اثنا میں حضرت خالدؓ اُلیس پہنچ گئے اور بلا توقف عیسائی قبائل سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس وقت جابان کی فوج اطمینان سے کھانا کھانے میں مشغول تھی کیونکہ اس کو حکم تھا کہ بہمن کے واپس آنے سے پہلے لڑائی میں شریک نہ ہو۔ حضرت خالدؓ نے بھرپور حملہ کر کے عیسائی قبائل اور ایرانی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس معرکے میں ستر ہزار عیسائی اور ایرانی مارے گئے۔

معرکۂ اُلیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے۔ وہاں

کے باشندوں نے مسلمانوں کا رُخ اپنی جانب دیکھا تو گھبرا گئے اور شہر سے نکل گئے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اس پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ وہاں سے کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا پانچواں حصہ مژدۂ فتح کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت خوش ہوئے اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:۔

"اے معشرِ قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کیا اور اس کے غار میں داخل ہو کر اس پر غلبہ پایا۔ اب عورتیں خالد جیسا دلاور پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔"

(۱۱)

امغیشیا کے قریب ہی حیرہ کا تاریخی شہر تھا (امغیشیا اور حیرہ اس جگہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھے جہاں کچھ عرصہ کے بعد کوفہ کا شہر آباد ہوا۔) وہاں کے ایرانی حاکم آزادبہ (یا ارادبہ) کو معلوم ہوا کہ اب مسلمان حیرہ پر لشکر کشی کریں گے تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک مضبوط فوج دے کر مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے روانہ کیا اور خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر خیمہ زن ہو گیا تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً اپنے بیٹے کی مدد کو پہنچ سکے۔ امغیشیا اور حیرہ کے درمیان دریائے فرات تھا۔ ابنِ آزادبہ نے دریا پر بند باندھ کر اس کا پانی اس سے نکلنے والی نہروں میں ڈال دیا۔ مسلمان جو کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کے راستے حیرہ کی طرف بڑھ رہے تھے اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوئے کیونکہ دریا کے پانی کا رخ بدل جانے کی وجہ سے ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کشتیوں کو وہیں چھوڑ دیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کریں۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور گھوڑے اڑاتے یکایک ابنِ آزادبہ کے لشکر پر جا پڑے جس نے دریائے فرات کے دہانہ کے قریب پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ ابنِ آزادبہ اس ناگہانی حملہ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے بدحواس ہو گیا اور اپنی فوج سمیت مارا گیا۔ مسلمانوں نے بند توڑ کر دریا کو دوبارہ معمول کے راستے پر جاری کر دیا اور حیرہ کی طرف بڑھے۔ اسی دوران میں شاہِ ایران اردشیر کا

انتقال ہو گیا۔ آزادبہ کو اردشیر کی وفات اور اپنے بیٹے کے قتل کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس خبر نے اس کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ اپنے لاؤ لشکر کو ساتھ لے کر بھاگ گیا۔ چنانچہ مسلمان کسی مزاحمت کے بغیر حیرہ کے قریب پہنچ گئے اور غریئین اور قصر ابیض کے درمیان اس جگہ ڈیرے ڈال دیئے جہاں آزادبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اگر تم جزیہ دینا قبول کرلو اور قلعے کا دروازہ کھول دو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ اہلِ حیرہ نے اس پیغام کے جواب میں مسلمانوں پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان پر تسلسل کے ساتھ شدت سے تیر برساؤ۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور ان کے تیروں سے بے شمار باشندے مارے گئے، اس پر شہر کے مذہبی رہنماؤں اور پادریوں نے قلعے کے سرداروں پر زور ڈالا کہ سنگ باری بند کردو اور اہلِ شہر کو مسلمانوں کے تیروں سے بچاؤ۔ ان سرداروں نے مجبور ہو کر حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ ہمارا ایک وفد آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے اس لیے لڑائی بند کر دیں۔ حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست منظور کرلی۔ چنانچہ ان کے پانچ سرداروں عدی و عمرو پسرانِ عدی حیری بن اکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ پر مشتمل ایک وفد حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کرکے صلح کر لی۔ اس موقع پر جو صلحنامہ لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسرانِ عدی، حیری بن اکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا۔ یہ لوگ اہلِ حیرہ کی طرف سے اس عہدنامے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانے گئے ہیں۔ معاہدے کے مطابق اہلِ حیرہ کو ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم بطور جزیہ ادا کرنے ہوں گے۔ یہ جزیہ راہبوں اور قسیسوں (پادریوں) کو بھی ادا کرنا ہوگا

البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو مفلس اور محتاج ہوں تا ک الدنیا راہب ہوں یا اپاہج ہوں۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ (خالد بن ولید یا مسلمانوں) پر ہے۔ اگر میں (یا مسلمان) ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ نہ لیا جائے گا اور اگر اہلِ حیرہ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو وہ ہماری پناہ (حفاظت) سے نکل جائیں گے ـــ یہ معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ھ ہجری میں لکھا گیا۔"

حیرہ کی صلح کے بعد نواحی علاقے کے باشندوں نے بھی ۲۰ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حیرہ اور ملحقات حیرہ پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہو گیا تو حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، حضرت ضرارؓ بن ازور، حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ اور کچھ دوسرے افسرانِ فوج کو سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیا اور ان کو ہدایت کی کہ دشمن پر برابر یورش کرتے رہو اور اس کو جنگی تیاری کی مہلت نہ دو۔ چنانچہ ان افسروں نے اپنی سرحدوں سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔

اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے مختلف (مفتوحہ) علاقوں میں عُمّال مقرر کیے اور انہیں اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے اور جزیہ وصول کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی موقع پر بانقیا اور باروسما کے باشندوں کی طرف سے پادری صلوبا بن نسطونا حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دس ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے کا عہد کیا۔ اس کے عوض حضرت خالدؓ نے بانقیا اور باروسما کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور تحریری معاہدہ لکھ دیا۔ اس معاہدے کا مضمون بھی قریب قریب وہی تھا جو اہل حیرہ کو لکھ کر دیا گیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل بانقیا اور باروسما نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمان ان کو کچل ڈالیں گے تو صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس مقصد کے لیے ویرناطف کے پادری صلوبا کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت خالدؓ کے پاس بھیجا۔

ان انتظامات سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو حیرہ

میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود انبار کی طرف بڑھے جو ایرانیوں کا ایک مضبوط گڑھ تھا۔ اہلِ انبار کو حضرت خالدؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ مسلمان شہر کے قریب پہنچے تو اہلِ انبار نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر ایرانیوں کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اہلِ انبار اصولِ جنگ سے ناواقف ہیں اس لیے انہیں آسانی سے تیروں کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمن کے سپاہیوں کی آنکھوں کو تاک تاک کر نشانہ بنائیں۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور آناً فاناً دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ ایسی مصیبت سے اہلِ انبار کو پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ انبار کے ایرانی سپہ سالار شیرزاد نے فوج میں بددلی کے آثار دیکھے تو اس نے حضرت خالدؓ سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن ایسی شرطیں پیش کیں جو حضرت خالدؓ کے لیے قابلِ قبول نہیں تھیں۔ چنانچہ بات چیت کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اب حضرت خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر ایسے مقام پر آئے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ بیمار اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیئے جائیں۔ اس طرح خندق کا ایک حصہ پٹ گیا اور پُل سا بن گیا۔ اسلامی لشکر اس پر سے گزر کر خندق کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ مسلمانوں کا دباؤ برداشت کرنا اب ایرانیوں کے بس کی بات نہیں تھی ناچار انہوں نے حضرت خالدؓ کی شرائط پر صلح کر لی اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ انبار کے سقوط سے نواحی علاقے کے باشندوں کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت زبرقانؓ بن بدر کو انبار میں اپنا نائب بنایا اور عین التمر کی طرف بڑھے جہاں ایک نامور ایرانی جرنیل مہران پسر بہرام چوبین ایرانیوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی مدد کے لیے تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ متعدد عربی النسل عیسائی قبائل بھی عقہ بن عقہ کی قیادت میں پہنچ گئے تھے۔ مہران نے ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت ان عرب عیسائی قبائل کو

مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا۔ عقہ کرخ کے مقام پر اپنی فوج کی صف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالدؓ اس کے سر پر پہنچ گئے اور دم لیے بغیر عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ صفوں کو چیرتے ہوئے عقہ کے قریب پہنچ گئے اور کمند ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا۔ اپنے سردار کی گرفتاری سے فوج حواس باختہ ہو گئی اور بھاگ کھڑی ہوئی مسلمانوں نے تعاقب کر کے سینکڑوں آدمیوں کو اسیر بنا لیا، جو بچ گئے انہوں نے عین التمر کے قلعے میں پناہ لی۔ مہران نے عیسائی عربوں کا حشر دیکھا تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور دشمن پر اتنا شدید دباؤ ڈالا کہ اس کے لیے قلعے کے دروازے کھولنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت خالدؓ نے تمام عیسائی عربوں کو گرفتار کر لیا۔ وہ ان کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ عقہ سمیت سب کی گردنیں اڑا دیں۔

جن ایام میں حضرت خالدؓ بن ولید عراق عرب کی مہمات میں مصروف تھے دومۃ الجندل میں بغاوت ہو گئی اور کلب، بہراء، غسان، تنوخ اور ضجاعم کے قبائل اکیدر اور جودی کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو اس بغاوت پر قابو پانے کے لیے دومۃ الجندل روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر دشمن کو بہت طاقتور پایا تو حضرت خالدؓ کو مدد کے لیے بلا بھیجا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی انہیں حضرت عیاضؓ کی مدد کے لیے پہنچنے کا حکم دیا۔ بہر صورت عین التمر کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے عویم بن کاہل اسلمی کو پیچھے چھوڑا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کا رخ کیا۔ جب دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اکیدر نے یہ کہہ کر دوسرے باغی سردار جودی کا ساتھ چھوڑ دیا کہ میں خالد بن ولید سے نہیں لڑ سکتا۔ حضرت خالدؓ کو اکیدر کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دستۂ فوج اس کے پیچھے بھیجا جس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو عہد شکنی اور بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا۔ (اکیدر نے عہد رسالت میں

اطاعت قبول کرلی تھی لیکن پھر بغاوت میں شریک ہو گیا تھا)۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے دو طرفوں سے دومۃ الجندل کو گھیر لیا۔ باغیوں کی امداد کے لیے کئی عربی النسل عیسائی قبائل بھی پہنچ گئے تھے۔ یہ سب مل کر جودی بن ربیعہ، ودلیعہ کلبی، ابن رومانس کلبی، ابن الایہم اور ابن حدرجان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے انہیں شکست فاش دی۔ جودی اور ودلیعہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے اور باقی فوج نے پسپا ہو کر قلعے کا رُخ کیا۔ جب قلعہ بھر گیا تو اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو جو زیادہ تر بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ بنو کلب نے حضرت خالدؓ کی فوج کے ایک سردار عاصمؓ بن عمرو تمیمی سے رحم کی التجا کی کیونکہ ان کا قبیلہ تمیم، بنو کلب کا حلیف تھا۔ حضرت عاصمؓ نے ان کو امان دے دی۔ حضرت خالدؓ نے ان کے عہد کا احترام کیا اور بنو کلب کے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے قلعے کا پھاٹک اکھڑوا ڈالا اور قلعے میں موجود تمام باغیوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر ان سب کو جودی سمیت بغاوت کی پاداش میں قتل کر ڈالا۔

(۱۲)

حضرت خالدؓ ابھی دومۃ الجندل میں ہی تھے کہ عراقِ عرب میں ایرانیوں نے پھر شورش برپا کر دی۔ ان کے دو سرداروں روزبہ اور زرمہر نے حصید اور خنافس پر چڑھائی کر دی۔ حضرت زبرقانؓ بن بدر حاکمِ انبار کو ایرانیوں کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکمِ حیرہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی سے مدد طلب کی۔ حضرت قعقاعؓ نے ان کا پیغام ملتے ہی الگ الگ دو لشکر اعبد بن فدکی السعدی اور عروہ بن جعد البارقی کی قیادت میں حصید اور خنافس کی طرف بھیجے کہ ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ انہوں نے ریف میں روزبہ اور زرمہر کا راستہ روک لیا جہاں وہ بنو ربیعہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کر چکے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید عیاضؓ بن غنم کو ساتھ لے کر دومۃ الجندل سے

حیرہ واپس آ گئے۔ یہاں انہیں امروٗ القیس کلبی کا خط ملا کہ ہذیل بن عمران نے مُصَیّخ اور ربیعہ بن بشر نے الثنی اور البشر کے مقامات پر فوجیں جمع کی ہیں اور وہ جلد ہی یہ فوجیں لے کر روزبہ اور زرمہر کی مدد کے لیے جا رہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے یہ خط ملتے ہی حضرت قعقاعؓ اور ابولیلیٰ کو روزبہ اور زرمہر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور پھر حیرہ میں حضرت عیاضؓ بن غنم کو چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابولیلیٰؓ ابھی عین التمر تک پہنچے تھے کہ حضرت خالدؓ بھی ان سے آن ملے۔ یہاں سے انہوں نے حضرت قعقاعؓ کو حصید کی جانب اور حضرت ابولیلیٰؓ کو خنافس کی طرف روانہ کیا۔ روزبہ اور زرمہر نے مل کر حصید میں حضرت قعقاعؓ کا مقابلہ کیا لیکن دونوں لڑائی میں مارے گئے اور ان کی فوج نے بری طرح شکست کھائی۔ شکست خوردہ فوج نے بھاگ کر خنافس میں پناہ لی۔ اس اثناء میں حضرت ابولیلیٰ خنافس پہنچ گئے۔ ایرانی حاکم مہبوذ ان کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ خنافس سے نکل کر مُصَیّخ چلا گیا۔ چنانچہ حضرت ابولیلیٰؓ نے خنافس پر کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا۔ اب حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ، حضرت ابولیلیٰؓ، حضرت اعبدؓ اور حضرت عروہؓ کو مُصَیّخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ فلاں رات کو فلاں مقام پر سب اکٹھے ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ خود بھی مقررہ رات کو ان کے پاس پہنچ گئے اور پھر متحدہ اسلامی لشکر نے ایرانیوں اور ان کے عرب حلیفوں پر تباہ کن شب خون مارا۔ عیسائی عربوں کا سردار ہذیل بن عمران تو بچ کر نکل گیا لیکن مُصَیّخ میں موجود باقی تمام عیسائی عرب اور ایرانی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

مُصَیّخ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے بنو تغلب کی طرف توجہ کی جو کئی بار ایرانیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابولیلیٰؓ کو بنو تغلب کی بستیوں الثنی اور البشر پر شبخون مارنے کا حکم دیا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ ان کے پیچھے

حضرت خالدؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک مقررہ رات کو مجاہدین نے تین سمتوں سے الثنی پر حملہ کیا اور تمام دشمنوں کو (عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے سوا) فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ الثنی کے بعد البشر (جس کا دوسرا نام الزمیل ہے) کی باری آئی۔ وہاں بھی تغلبیوں کا ایک لشکر موجود تھا۔ ہذیل بن عمران نے مُصَیَّخ سے بھاگ کر اسی جگہ پناہ لی تھی۔ حضرت خالدؓ نے ایک ہی ہلّے میں البشر پر قبضہ کرلیا اور دشمن کا صفایا کردیا۔ اس کے بعد وہ الرضاب کی طرف بڑھے جہاں عقہ (مقتول) کا بیٹا ہلال لشکر لیے پڑا تھا اس نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس طرح الرضاب پر بھی مسلمانوں نے آسانی سے قبضہ کرلیا۔

الرضاب کی تسخیر کے بعد حضرت خالدؓ نے الفراض کا رُخ کیا۔ یہاں عراق، شام اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں اور جنگی نقطۂ نگاہ سے اس کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ حضرت خالدؓ الفراض پہنچے تو ان کے مقابلے میں نہ صرف ایرانی اور شامی متحد ہوگئے بلکہ تغلب، نمر اور ایاد کے عربی النسل قبائل بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس متحدہ لشکر نے دریائے فرات کو پار کرکے بڑے جوش و خروش سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے حضرت خالدؓ کی قیادت میں اس جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کو لوہے کے چنے چبوا دیئے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ نے للکار کر کہا، مسلمانو! ان کو گھیر لو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ ان کی للکار پر مسلمان جانبازوں نے دشمن کے سپاہیوں کو گھیر گھیر کر مارنا شروع کردیا۔ اس طرح ان کی بیشتر تعداد مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہوگئی جو تھوڑے بہت پیچھے کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوئے وہ دریائے فرات میں غرق ہوگئے۔ فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے فوج سے کہا کہ وہ چند دن سستا لے۔ چنانچہ سارا لشکر الفراض ہی میں ٹھہر گیا۔ دس دن کے بعد (۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲ھ کو) حضرت خالدؓ نے فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا اور اپنے متعلق ظاہر کیا کہ جیسے وہ ساقہ (عقبی فوج) کے ساتھ آرہے ہیں۔ لشکر کے کوچ کرتے ہی وہ نہایت رازداری

کے ساتھ چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر برق رفتاری سے مکہ معظمہ پہنچے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے اسی برق رفتاری سے واپس آگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت الفراض سے آنے والی فوج کا آخری حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ وہ (خفیہ حج سے واپس آکر) اس فوج کے ساقہ (آخری یا عقبی حصے) سے آملے۔ لشکر کے کسی اور آدمی کو ان کے حج پر جانے کا علم نہیں تھا۔ جب انہوں نے واپسی پر حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ حج کر کے آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت خالدؓ کے خفیہ حج کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کو لکھا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ سپہ سالار کا اپنی فوج سے یکایک غیر حاضر ہو جانا اس کے لیے کئی خطرات کا موجب بن سکتا ہے۔

حضرت خالدؓ حیرہ پہنچے ہی تھے کہ انہیں دربارِ خلافت سے فوراً شام جانے کا حکم ملا۔ چنانچہ وہ عراق عرب کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ کے سپرد کر کے شام روانہ ہو گئے۔

حضرت خالدؓ نے کل ایک سال دو ماہ (محرم ۱۲ سنہ ہجری سے صفر ۱۳ سنہ تک) کا عرصہ عراقِ عرب میں گزارا۔ اس دوران میں انہوں نے پندرہ جنگیں لڑیں اور سب میں کامیاب ہوئے۔

۱۴

جس زمانے میں حضرت خالدؓ بن ولید عراق عرب میں ایرانی شہنشاہیت پر ضربیں لگا رہے تھے۔ رومی شہنشاہیت سے بھی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور چار اسلامی لشکر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت شرجبیلؓ بن حسنہؓ کی سرکردگی میں شام کے مختلف مقامات کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ رومی پوری قوت سے قدم قدم پر ان کی مزاحمت کر رہے تھے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں سخت مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ یہی صورت حالات تھی جس سے مؤثر طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ

کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً شام میں مصروفِ جہاد مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت خالدؓ نے (خلیفۃ الرسولؐ کی ہدایت کے مطابق نصف لشکر کے ساتھ) عراقِ عرب سے شام کا رُخ کیا۔

حضرت خالدؓ نے شام کے محاذِ جنگ پر پہنچنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ انہوں نے پانچ چھ دن میں طے ہو جانے والے آسان اور معروف راستے کو چھوڑ کر جبلِ دروز (حوران) کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض صحرا (بادیۃ الشام یا حمَد (HAMAD)) کا طویل راستہ اختیار کیا۔ مؤرخین نے حضرت خالدؓ کے اس طرزِ عمل کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ان سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنی جنگی حکمتِ عملی کے تحت یہ راستہ اختیار کیا اور اٹھارہ دن کے کٹھن اور پُر صعوبت سفر کے بعد سُویٰ (موجودہ نام بسَیبا) پہنچ گئے۔ اہلِ سویٰ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی فوج ایسے ہیبت ناک صحرا سے گزر کر ان پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ جب انہوں نے اچانک اسلامی لشکر کو اپنے سر پر پایا تو حواس باختہ ہو گئے اور معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ سویٰ سے حضرت خالدؓ ارک، تدمر (پالمورہ) قریتین، حوارین اور قصم کو فتح کرتے ہوئے سیدھے جنوب کی طرف بڑھتے گئے اور دمشق کو ایک طرف چھوڑ کر مرج راہط پہنچ گئے۔ یہاں رومیوں کے ایک لشکر نے حضرت خالدؓ کا زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ مرج راہط سے حضرت خالدؓ وادیٔ یرموک کے دَرّے درعا میں داخل ہوئے اور جبلِ حوران کے دامن میں چلتے چلتے شام میں پہلے سے موجود اسلامی لشکر سے جا ملے۔ درعا کے قریب ایک زبردست رومی لشکر موجود تھا اور اس کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی دشمن صحرا حمد سے گزر کر اس کے عقب میں پہنچ سکتا ہے۔ رومیوں کو حضرت خالدؓ کی آمد کا علم ہوا تو مبہوت ہو گئے اور ان کے مقابل ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کسی مزاحمت کے بغیر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو شام پر یلغار کرنے والی چاروں فوجوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر

کیا تھا۔ حضرت خالدؓ پہنچے تو حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام افواج کی قیادت ان کے سپرد کر دی۔ ابن اثیرؒ اور بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے بصریٰ کے شہر پر حملہ کیا۔ بصریٰ کا بطریق (جو وہاں کا حاکم بھی تھا) ایک ہی جھڑپ میں ہمت ہار بیٹھا اور جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

اُدھر ہرقل (قیصر روم) کو شام میں مسلمانوں کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو اس نے ان کے مقابلے کے لیے الگ الگ فوجیں روانہ کیں تاکہ اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں۔ رومی فوجوں کی قیادت دو آزمودہ کار جرنیل قبقلار اور تذارق کر رہے تھے۔ ان دونوں نے فلسطین کے ایک مقام اجنادین میں پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فلسطین کی تسخیر پر حضرت عمروؓ بن العاص کو مامور کیا تھا وہ اس وقت عربات میں تھے۔ انہیں رومی فوجوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بھی بصریٰ کی مہم سر کر کے ان کی مدد کو پہنچ گئے۔

جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں اجنادین کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان دو دن تک گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں تذارق اور قبقلار دونوں مارے گئے اور رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔

اجنادین میں رومیوں کو شکست دینے کے بعد حضرت خالدؓ نے اس رومی لشکر کی جانب توجہ کی جو درعا کے قریب جبل دروز کے سلسلے اور دریائے یرموک کی گہری پہاڑی وادی کے درمیان گھاٹی میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ اس کو نظر انداز کر کے شام کے دارالحکومت دمشق کی جانب بڑھنا بہت مشکل اور خطرناک تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو بئرشیبا میں چھوڑا اور باقی فوجوں کو لے کر بڑی سُرعت کے ساتھ درعا پہنچ گئے۔ یہاں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جو رومیوں کی شکست پر منتج ہوئی اور وہ درعا سے پسپا ہو گئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں کے لیے دمشق کا راستہ صاف ہو گیا جو وہاں سے صرف ۶۵ میل دور تھا۔

یہ یرموک کی پہلی جنگ تھی جو ابھی جاری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پا گئے

اور ان کی جگہ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔

اثنائے جنگ میں مدینہ منوّرہ سے قاصد پہنچا جس نے مسلمانوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ بننے کی خبر دی۔ یہی قاصد حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان بھی لایا کہ اب سے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح محاذِ شام کی اسلامی افواج کے سپہ سالارِ اعلیٰ (کمانڈر انچیف) ہوں گے اور حضرت خالدؓ بن ولید ان کی نیابت میں کام کریں گے۔ اس فرمان کا اعلان فتح کے بعد کیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے بڑی خوشی سے اسلامی فوجوں کی کمان حضرت ابوعبیدہؓ کے سپرد کر دی۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شام کی مشہور جنگوں کے زمانۂ وقوع کے بارے میں مؤرّخین میں سخت اختلاف ہے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ کے سالِ عزل کے بارے میں بھی مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند نشینِ خلافت ہوتے ہی (۱۳ھ ہجری میں) حضرت خالدؓ کو معزول کر دیا اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ ان کی معزولی ۱۷ھ ہجری میں ہوئی۔ اس سلسلے کی تمام روایات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت حضرت خالدؓ کی معزولی دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۱۳ھ ہجری میں ان کا مرتبہ (RANK) کم کیا گیا تاہم وہ حضرت ابوعبیدہؓ کے نائب یا فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت سے برابر کام کرتے رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۷ھ ہجری میں ان کو مکمل طور معزول کر دیا گیا بالفاظِ دیگر ان کو افسری کے منصب سے ہٹا کر ایک عام سپاہی بنا دیا گیا۔

پہلی مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا مرتبہ اس لیے کم کیا کہ وہ امین الامّت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح کو سپہ سالارِ اعظم کے عہدہ کے لیے حضرت خالدؓ سے زیادہ موزوں سمجھتے تھے اس لیے کہ حضرت خالدؓ بعض اوقات حد سے زیادہ خوداعتمادی یا جوشِ شجاعت میں کوئی ایسا قدم اٹھا لیتے تھے جو بظاہر احتیاط کے تقاضوں کے خلاف ہوتا تھا۔

دوسری مرتبہ ان کی معزولی جن اسباب کی بناء پر عمل میں آئی، ان کا ذکر اپنے

مقام پر آگے آئے گا۔ جہاں تک لڑائیوں کی ترتیب کا تعلق ہے ہم نے انہیں اپنی تحقیق کے مطابق بیان کیا ہے۔ ہماری تحقیق اور بیان کردہ ترتیب سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان تمام لڑائیوں کا ۱۳ھ ہجری سے ۱۵ھ ہجری کے درمیانی زمانے میں آگے یا پیچھے پیش آنا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان لڑائیوں میں حضرت خالدؓ نے ایک اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے بھرپور اور نمایاں حصہ لیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر جنگیں (بالخصوص دوسری جنگِ یرموک) انہی کے منصوبوں اور حکمتِ عملی کے مطابق لڑی گئیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ ان کو اپنا نائب نہیں بلکہ بھائی سمجھتے تھے اور جنگی کارروائیوں کے سلسلے میں ان کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔

پہلی جنگِ یرموک کے بعد مسلمان دمشق کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ باب الجابیہ کے سامنے خیمہ زن ہوئے، حضرت عمروؓ بن العاص بابِ توما پر، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ باب الفرادیس پر اور حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ بابِ کیسان پر متعین ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک خالی خانقاہ میں ڈیرہ ڈالا جو ان کے قیام کی نسبت سے "دیر خالد" مشہور ہو گئی۔ اگرچہ دمشق کی سردی عرب مجاہدین کے لیے ناقابلِ برداشت تھی لیکن انہوں نے بڑے عزم و ثبات سے محاصرہ جاری رکھا۔ یہ محاصرہ باختلافِ روایت دو ماہ دس دن، تین ماہ یا چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں اہلِ دمشق کو شہر سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی البتہ وہ فصیل پر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہتے تھے۔ ایک رات کو ان کی طرف سے بہت کم سرگرمی دیکھنے میں آئی۔ حضرت خالدؓ اکثر راتیں جاگ کر بیدار رہتے تھے اور فوجی انتظامات کے ساتھ ساتھ دشمن کی نقل و حرکت کی ٹوہ لگانے میں مشغول رہتے تھے۔ اس رات کو انہیں شہر کے اندر کوئی ہنگامہ اور شور و غل سنائی نہ دیا تو اپنے ذرائع سے اس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ پتہ چلا کہ دمشق کے

بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس خوشی میں اس نے آج اہلِ شہر کی ضیافت کی تھی۔ انہوں نے دعوت میں خوب شراب پی اور شام ہی سے مدہوش پڑے ہیں یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالدؓ اپنی خاص فوج کے ساتھ شہر پناہ کی طرف بڑھے اور پانی سے لبریز خندق کو عبور کر کے شہر پناہ کے نیچے پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ چند مجاہدین کے ساتھ کمند کے ذریعے شہر پناہ کی دوسری طرف اتر گئے اور پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی باہر کھڑی فوج ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئی۔ اہل دمشق ابھی تک مدہوش پڑے تھے اس ناگہانی حملہ سے حواس باختہ ہو گئے۔ خود ہی شہر کے دوسرے دروازے کھول دیئے! اور حضرت ابوعبیدہؓ سے صلح کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ اب کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف سے حضرت ابوعبیدہؓ صلح منظور کر کے شہر کے اندر بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف سے حضرت خالدؓ فاتحانہ پیشقدمی کر رہے تھے۔ شہر کے وسط میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ صلح منظور کر چکے تھے اس لیے حضرت خالدؓ نے بھی تلوار نیام میں کر لی۔

بعض مؤرخین نے (جن میں فرانسیسی محقق گستاؤلی بان مصنف "تمدنِ عرب" بھی شامل ہے) لکھا ہے کہ دمشق عین اس روز فتح ہوا جس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی۔ لیکن یہ روایت قابلِ اعتنا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تاریخ وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری ہے جبکہ دمشق رجب ۱۴ھ ہجری میں فتح ہوا۔

مختلف مؤرخین نے محاصرہ دمشق کے دوران میں مسلمانوں کو پیش آنے والے کئی واقعات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن ان کے بیانات میں سخت اختلاف ہے اور یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی۔ اس قسم کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ہرقل نے ایک لشکر دمشق کے محصورین کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر اس لشکر کا رستہ روک لیا اور اسے دمشق نہیں پہنچنے دیا۔

(۲) ہرقل کے امدادی لشکر کو روکنے کے لیے حضرت خالدؓ نے حضرت ضرارؓ بن الازور کو پانچ سو سوار دے کر بھیجا۔ حضرت ضرارؓ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کی تعداد بہت زیادہ (تقریباً دس بارہ ہزار) ہے۔ حضرت ضرارؓ جوشِ شجاعت میں اس لشکر سے بھڑ گئے۔ شومئی قسمت سے ان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر گئے۔ رومیوں نے انہیں اور کچھ دوسرے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت خالدؓ کو حضرت ضرارؓ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو انہوں نے میسرہؓ بن مسروق کو ایک ہزار جوانوں کے ساتھ دمشق کے مشرقی دروازے پر چھوڑا اور اپنی باقی فوج کو ساتھ لے کر حضرت ضرارؓ اور دوسرے اسیر مسلمانوں کو رومیوں کے پنجے سے چھڑانے کے لیے روانہ ہوئے۔ انہوں نے برق رفتاری سے چل کر رومی لشکر کو جا لیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے مورچہ بند ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا کہ رومی سپہ سالار نے مسلمان اسیروں کو سوؔ سواروں کی حفاظت میں حمص روانہ کر دیا ہے۔ حضرت خالدؓ نے رافع بن عمیرہ طائی کو سوؔ سوار دے کر حمص کی جانب روانہ کیا کہ وہ اسیر مسلمانوں کو رومیوں سے چھڑا لائیں۔ رافعؓ رومیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور بہت جلد ان کے سر پر جا پہنچے۔ رومیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے انہیں آناً فاناً کاٹ کر رکھ دیا اور حضرت ضرارؓ اور ان کے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر حضرت خالدؓ کے لشکر میں آ ملے۔ دوسرے دن حضرت خالدؓ نے رومی لشکر پر حملہ کیا اور اس کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

(۳) حضرت ابو عبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اجنادین میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہے۔ انہوں نے دمشق کا محاصرہ عارضی طور پر اٹھا لیا اور اجنادین پہنچ کر رومیوں کو تباہ کن شکست دی۔ اس لڑائی میں حضرت خالدؓ نے نمایاں حصہ لیا اور ہر مرحلہ پر دوسرے افسروں کو مناسب ہدایات دیتے رہے۔ اس لڑائی سے فارغ ہو کر دوبارہ دمشق کا

محاصرہ کر لیا۔

(۴) حضرت ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے ایک رومی جرنیل ورنجار کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج اہلِ دمشق کی مدد کے لیے بھیجی ہے اور یہ فوج مرج الصفر کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو پیچھے چھوڑا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف بڑھے۔ حضرت خالدؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ مرج الصفر کے مقام پر فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے رومی لشکر کا میسرہ برباد کر دیا اور حضرت معاذؓ بن جبل نے اس کے میمنہ کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اس طرح رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی اور مسلمانوں نے مظفر و منصور واپس آکر پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

اسی قسم کے کچھ اور واقعات بھی مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان واقعات کا ہونا بعید از قیاس نہیں لیکن یہ کب ہوئے اور ان کی ترتیب کیا تھی اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اصل میں چار پانچ سال کے عرصے میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس کثرت سے لڑائیاں ہوئیں کہ ان کے واقعات ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ بہرصورت حضرت خالدؓ نے ان میں سے بیشتر معرکوں میں دادِ شجاعت دی اور فریقِ مخالف کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔

(۱۴)

دمشق کی فتح سے رومیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ انہوں نے اُردن کے شہر بیسان میں جمع ہو کر زور شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ہرقل نے دمشق کے محصورین کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں، وہ بھی بیسان پہنچ گئیں۔ اس طرح چالیس پچاس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا جن کا سپہ سالار سکلار نامی ایک رومی افسر تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو اس اجتماع کی خبر ملی تو وہ اور حضرت خالدؓ اپنی فوج

کے ساتھ اردن کی طرف بڑھے اور بیسان کے سامنے ایک مقام فحل (PELLA) میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے مسلمانوں کی ہمت اور استقلال کو دیکھ کر صلح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو سفیر بنا کر بھیجا۔ رومیوں نے اپنے سازوسامان اور فوج کی کثرت کا ذکر کر کے حضرت معاذؓ کو مرعوب کرنا چاہا لیکن حضرت معاذؓ نے شانِ بے اعتنائی سے جواب دیا کہ اگر تم اسلام قبول کرو تو ہمارے بھائی ہو، یہ منظور نہیں تو جزیہ دو ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ تم ہمیں تعداد سے ڈراتے ہو، اگر تمہاری تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہو تو کچھ پروا نہیں۔ ہمارا اللہ فرماتا ہے کہ کبھی تھوڑے بھی بہتوں پر غالب آجایا کرتے ہیں۔

غرض شرائطِ صلح پر اتفاق نہ ہو سکا اور حضرت معاذؓ واپس آگئے۔ دوسرے دن رومیوں نے اپنا قاصد حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس بھیجا۔ اس نے پیشکش کی کہ ہم تمہاری فوج کو دو دو دینار فی کس دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ پیشکش رد کر دی اور فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا لیکن رومی مقابلے پر نہ آئے۔ دوسرے دن حضرت خالدؓ اپنا سوار دستہ لے کر میدان میں نکلے۔ رومیوں نے اپنی فوج کے تین حصے کیے اور انہیں باری باری میدان میں بھیجا۔ ان کا پہلا دستہ حضرت خالدؓ کی طرف بڑھا تو انہوں نے قیسؓ بن ہبیرہ کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے مقابل ہوں وہ فوراً ان پر جھپٹ پڑے اور میدانِ کارزار گرم ہو گیا۔ اب رومیوں کا دوسرا دستہ میدان میں نکلا، حضرت خالدؓ کے حکم سے میسرہؓ بن مسروق نے اس کو روکا۔ اس کے ساتھ ہی رومیوں کی فوج کا تیسرا حصہ جو سب سے بڑا تھا آگے بڑھا، حضرت خالدؓ نے اس کا حملہ بڑے استقلال سے سنبھالا۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ رومیوں پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہونے لگے۔ حضرت خالدؓ نے ان کی کمزوری کو بھانپ لیا اور اپنی فوج کو للکار کر کہا کہ رومی اپنا زور لگا چکے اب تمہاری باری ہے۔ ان کی للکار سن کر مسلمانوں نے اس زور کا حملہ

گیا کہ رومی پسپا ہو کر اپنے مورچوں میں چلے گئے۔ اب رات ہو چکی تھی اس لیے مسلمان واپس آ گئے۔ دوسرے دن فریقین میں پھر گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت خالدؓ نے دشمن کا میمنہ برباد کر دیا اور اس کے گیارہ بڑے بڑے افسر مار ڈالے، قیس بن ہبیرہ نے رومیوں کے میسرہ کو شکست دی اور ہاشمؓ بن عتبہ لڑتے بھڑتے دشمن کے قلب لشکر تک پہنچ گئے۔ یہاں دیر تک اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ تمام میدان میں خون کے نالے بہہ نکلے۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس معرکہ کے بعد اردن کے دوسرے تمام شہر اور مقامات آسانی سے فتح ہو گئے۔

اب اسلامی افواج حمص کی طرف بڑھیں۔ یہ شام کا ایک اہم شہر تھا۔ ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے ایک زبردست فوج دمشق کی طرف روانہ کی تاکہ وہ مسلمانوں کو حمص تک پہنچنے کا موقع نہ دے اور ممکن ہو تو دمشق سے مسلمانوں کو نکال کر اس پر قابض ہو جائے۔ اس فوج کا سپہ سالار توذر نامی ایک بطریق تھا۔ توذر نے دمشق کے مغرب میں مرج الروم کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ توذر کے پیچھے ہرقل نے ایک اور فوج اس کی مدد کے لیے بھیجی، اس کا سپہ سالار ایک رومی جرنیل شنس تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو توذر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور خود شنس کے مقابلہ پر گئے۔

توذر مرج الروم سے دمشق کی طرف بڑھا تو حضرت خالدؓ اس کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ حاکم دمشق کو جونہی توذر کی پیشقدمی کی خبر ملی وہ اپنی فوج کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے نکلے۔ دمشق کے قریب طرفین میں سخت معرکہ ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ نے عقب سے توذر پر حملہ کر دیا۔ اس طرح دونوں طرف سے اسلامی فوجوں نے رومیوں کو تباہ کر ڈالا۔ معدودے چند کے سوا سب رومی میدانِ جنگ میں کھیت رہے، ان میں توذر بھی شامل تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے مرج الروم کے قریب شنس کو روک لیا اور ایک سخت لڑائی کے بعد اس کو شکست دی۔ شنس بے شمار رومیوں سمیت مارا گیا

جو بچ گئے انہوں نے بھاگ کر حمص میں پناہ لی۔

توذرا اور شنس سے نبٹنے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص کی طرف پیشقدمی کی حضرت خالدؓ بن ولید اپنے رسالے کے ساتھ آگے آگے تھے۔ راستے میں تقاع اور بعلبک کے شہر آئے۔ اہل تقاع نے تو کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔ البتہ اہل بعلبک نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن حضرت خالدؓ نے ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ فوراً گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت خالدؓ حمص سے چند میل کی مسافت پر تھے کہ رومیوں کی ایک بڑی فوج حمص سے نکل کر ان کے مقابل ہوئی لیکن حضرت خالدؓ کے پہلے ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر شہر میں گھس گئی۔ حضرت خالدؓ نے میسرہؓ بن مسروق کی سرکردگی میں ایک دستہ آگے بڑھایا۔ راستے میں رومیوں کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے جتھوں سے ان کا مقابلہ ہوا۔ ایسی تمام جھڑپوں میں مسلمان کامیاب رہے اور حمص کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ حضرت میسرہؓ بن مسروق کے پیچھے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ بھی حمص کے باہر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کے بڑے دروازے "رستن" کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور شہر کے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔

ہرقل پہلے حمص ہی میں مقیم تھا لیکن توذرا اور شنس مارے گئے تو وہ حمص سے رہا چلا گیا اور وہاں سے اہل جزیرہ کو اہل حمص کی امداد کا حکم بھیجا۔ چنانچہ جزیرہ سے ایک زبردست لشکر اہل حمص کی مدد کے لیے روانہ ہوا لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو عراق عرب کی مہم پر مامور تھے کچھ فوج بھیج دی جس نے اس لشکر کو روک لیا اور آگے نہ بڑھنے دیا۔

جس زمانے میں مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ کر رکھا تھا شدید سردی پڑ رہی تھی۔ اہل حمص کا خیال تھا کہ عرب لوگ اتنی شدید سردی برداشت نہ کرسکیں گے اور کھلے میدان میں زیادہ عرصہ ٹھہرنا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا لیکن ان کا خیال غلط

ثابت ہوا۔ مسلمانوں نے بڑے عزم و ثبات کا ثبوت دیا اور نہایت سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ آخر رومی ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی درخواست کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلمان بعض جگہوں سے شہر پناہ کو منہدم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر رومیوں نے گھبرا کر اطاعت قبول کر لی اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

حمص کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ وہاں مقیم ہو گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اردن میں قیام کیا اور حضرت خالدؓ ایک ہزار سواروں کے ساتھ دمشق چلے گئے۔

⑮

رومیوں کی پیہم شکستوں نے ہرقل کو سخت برافروختہ کیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ سلطنت کا پورا زور صرف کر کے عربوں کو شام سے نکال دے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام مقبوضات آرمینیہ، الجزیرہ، قسطنطنیہ وغیرہ سے فوجیں طلب کیں جو سب انطاکیہ میں جمع ہو گئیں ان میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور جرنیل شامل تھے، یہاں تک کہ گوشہ نشین راہب اور پادری بھی اپنی اپنی خانقاہوں اور گرجوں سے نکل کر اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مذہب کا واسطہ دے کر رومیوں میں جوش پیدا کرتے تھے۔ یہ جرار لشکر انطاکیہ سے چلا تو ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ مسلمانوں کو دو لاکھ سے زائد جنگجوؤں پر مشتمل اس لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے باہمی مشورے سے فیصلہ کیا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں اور یہ تمام فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی دربارِ خلافت سے مدد طلب کی جائے۔ اس فیصلے کے مطابق مسلمانوں نے حمص، دمشق وغیرہ شہروں کو خالی کیا تو وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی وہ ساری رقمیں جو ان سے وصول کی تھیں یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ پابندیٔ عہد اور رواداری کی ایسی مثال دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کا یہی اخلاق تھا، جس نے بدترین

دشمنوں کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا۔ اس حسن سلوک سے ان شہروں کے عیسائی اور یہودی اتنے متاثر ہوئے کہ روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ خدا ان لوگوں (مسلمانوں) کو جلد واپس لائے۔

تمام اسلامی فوجیں شام کے شہروں سے نکل کر وادی یرموک میں رومی لشکر کے سامنے پہنچ گئیں۔ رومی لشکر کا پڑاؤ اس میدان میں تھا جو دریائے یرموک اور دریائے اردن کے سنگم سے تیس میل اوپر دریائے یرموک کے نصف دائرے کی صورت میں چکر کاٹنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت کی جانب واقوصہ کی تنگ گھاٹی تھی سامنے واقوصہ کی وادی تھی اور پہلو میں دریائے یرموک تھا۔ اس طرح یہ لشکر تین سمتوں سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔ اسلامی لشکر اس کے بالکل سامنے آکر خیمہ زن ہوا۔ رومیوں کے خیال میں انہوں نے اپنے پڑاؤ کے لیے بہترین جگہ منتخب کی تھی لیکن یہ جگہ اسی صورت میں بہترین ثابت ہو سکتی تھی جب انہیں فتح ہو، شکست کی صورت میں یہ جگہ ان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی لیکن یہ بات ان کے سان گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس اتنا جرار لشکر شکست سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص رومیوں کی جائے قیام دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے:

ایھا الناس ابشروا حصرت۔ واللّٰہ الروم وقل ما جاء محصور بخیر

(لوگو! خوشخبری ہو، خدا کی قسم رومی محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہے۔)

مسلمانوں نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا وہ عسکری نقطۂ نگاہ سے بہترین مقام تھا۔ وہاں سے وہ مرکز خلافت سے رابطہ قائم رکھ سکتے تھے اور ان کو کمک اور رسد بھی بآسانی پہنچ سکتی تھی۔ شکست کی صورت میں وہ صحرا کی جانب پسپا بھی ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس رومیوں کے لیے شکست کی صورت میں کوئی جائے پناہ نہیں

تھی۔ دو ڈھائی لاکھ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کل تعداد (مل ملا کر) چھیالیس (۴۶) ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ اس سے پہلے شام کے تمام معرکوں میں مسلمانوں نے رومیوں کی جو درگت بنائی تھی اس کے پیشِ نظر اپنی کثرتِ تعداد اور ساز و سامان کے باوجود رومی دل سے چاہتے تھے کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے اور مسلمان کچھ لے دے کر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ان کے سپہ سالار باہان نے مسلمانوں کو پیشکش کی کہ وہ روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمانوں نے یہ پیشکش رد کر دی اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔ دونوں فوجیں باختلافِ روایت دو ماہ، تین ماہ یا پانچ ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ اس دوران میں چھوٹی موٹی جھڑپیں تو ہوتی رہیں لیکن بڑی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ بالآخر جمادی الاخریٰ یا رجب ۱۵ھ ہجری میں طرفین پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کے ۳۶ (بروایتِ دیگر ۳۸ یا چالیس) دستے بنا دیئے تاکہ دشمن کو اس کی تعداد اصل سے زیادہ نظر آئے۔ ان دستوں کے سردار ایسے لوگ تھے جو شجاعت اور جوانمردی میں اپنا جواب آپ تھے۔ مثلاً حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، ہاشمؓ بن عتبہ، ضرارؓ بن الازور، عکرمہؓ بن ابی جہل، عبدالرحمٰنؓ بن خالد وغیرہ۔ قلب میں اٹھارہ دستے تھے جن کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ کر رہے تھے، میمنہ کے دس دستوں کی قیادت حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کر رہے تھے اور میسرہ کے دس دستوں پر حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ افسر تھے۔ حضرت خالدؓ کے پاس رسالے کی کمان تھی۔ اس کے ساتھ لڑائی کی منصوبہ بندی اور عمومی نگرانی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود فوج کے سامنے سورۂ انفال کی تلاوت کرتے تھے اور حضرت ابو سفیانؓ قاص کی خدمت انجام دیتے تھے یعنی مجاہدین کے سامنے کھڑے ہو کر ان کا جوشِ جہاد تازہ کرتے تھے وہ ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے :-

"تم جوانمردانِ عرب ہو اور اسلام کے مددگار ——— وہ جوانمردانِ روم

ہیں اور شرک کے مددگار۔
اے اللہ آج کا دن معرکہ کا دن ہے۔ اے اللہ اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔"

لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ متفرق ہو کر لڑیں۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پابند کر دیا تھا کہ وہ قلب، میمنہ اور میسرہ کے سرداروں سے احکام حاصل کریں اور انہی کے مطابق عمل کریں۔

اسلامی لشکر میں ایک ہزار صحابہ کرامؓ بھی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے۔ جب حضرت خالدؓ صفیں قائم کر رہے تھے، ایک شخص کے منہ سے نکل گیا، رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے ——— حضرت خالدؓ غضب ناک ہو کر بولے:

"چپ رہ، فتح و شکست کا تعلق سپاہ کی کثرت یا قلتِ تعداد سے نہیں بلکہ اللہ کی تائید سے ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے کے سُم درست ہوتے تو میں کہتا کہ رومی اتنی ہی تعداد اور بڑھالیں۔"

صفیں مرتب کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ آور ہوں۔ وہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن پر لوٹ پڑے اور اس کے ساتھ ہی گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جو تین (بروایتِ دیگر کئی) دن تک پوری شدت سے جاری رہی۔ مؤرخین نے اس جنگ کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں لیکن ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ کسی نے کوئی واقعہ پہلے دن کی لڑائی کے ذیل میں لکھا ہے تو دوسرے نے وہی واقعہ دوسرے یا تیسرے دن کے واقعات میں شامل کیا ہے۔ ترتیب سے قطع نظر چند اہم واقعات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت خالدؓ نے ایک دن صرف ساٹھ شہسواروں کا ایک رسالہ مرتب

کیا اور رومی لشکر میں شامل ساٹھ ہزار عرب عیسائیوں کی فوج پر اس انداز سے حملہ کیا کہ کبھی اس کے ایک حصے پر جا پڑتے تھے اور کبھی دوسرے پر۔ اس طرح انہوں نے شام تک دشمن کو مصروف رکھا اور اپنے بڑے لشکر کی طرف بڑھنے نہ دیا۔ اس عجیب و غریب لڑائی میں دشمن کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے جبکہ مسلمانوں کے صرف دس آدمی شہید ہوئے اور پانچ دشمن کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے دوسرے دن ان قیدیوں کو رہا کرا لیا۔

(۲) رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں کہ پیچھے ہٹنے یا بھاگنے کا خیال تک نہ آئے۔ ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے آگے آگے تھے اور اپنی فوج کو جوش دلاتے جاتے تھے۔

(۳) لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم جاری کیا کہ تمام افسر حضرت خالد بن ولید کے حکم کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے تمام فوج کا معائنہ کیا۔ جس علَم کے پاس پہنچتے اس کے جوانوں کو یوں خطاب کرتے:

"مسلمانو! فتح ثابت قدمی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کمزوری کا نتیجہ ہمیشہ بربادی ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جو ثابت قدمی سے کام لے گا اسی کو غلبہ حاصل ہو گا۔ کمزوری انہی کو لاحق ہوتی ہے جو باطل کے پرستار ہوتے ہیں۔ حق کے علمبردار کبھی کمزوری نہیں دکھاتے کیونکہ ان کو اپنے اللہ پر بھروسا ہوتا ہے۔ وہ حدودِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ شہید ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیں گے۔"

(۴) پہلے دن ایک رومی بطریق نے اپنی صفوں سے نکل کر مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت خالدؓ نے قیسؓ بن ہبیرہ کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے مقابلے پر جائیں۔ قیسؓ بن ہبیرہ نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں رومی بطریق

کو ڈھیر کر دیا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا، ابتدا مبارک ہوئی بس اب فتح ہے۔

⑤ رومی سپہ سالار باہان نے جرجہ (جارج) نامی ایک قاصد حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اپنے کسی معزز افسر کو گفتگوئے صلح کے لیے ہمارے پاس بھیجیں۔ جرجہ جس وقت اسلامی لشکر میں پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی نماز با جماعت کے روح پرور نظارے نے جرجہ کا دل نورِ ایمان سے منوّر کر دیا۔ مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تو جرجہ حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے چند سوالات کیے جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، ہمارا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے:——

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور نہ اللہ کے بارے میں جو کچھ کہو، حق کہو۔ عیسیٰؑ بن مریمؑ محض خدا کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اس نے مریمؑ کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو، اس کو چھوڑ دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اللہ معبودِ واحد ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، سب اسی کا ہے۔ نہ مسیح خدا کا بندہ ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں اور نہ مقرب ملائکہ اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر سے کام لے تو لوگ سن لیں کہ اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔"

جرجہ حضرت ابو عبیدہؓ کا جواب سن کر بے اختیار پکار اٹھا کہ بیشک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر سچا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس نہیں

جانا چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا خیال نہ ہو، اس کو مجبور کیا کہ اس وقت واپس جاؤ اور کل یہاں سے جو سفیر جائے اس کے ساتھ آجاؤ۔ (الفاروق۔ شبلی نعمانیؒ)

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ (نواب صدر یار جنگ) نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدیقؓ" میں اس واقعہ کو بالکل دوسرے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دوران کارزار میں رومیوں کا سردار جرجہ بن توذر میدان میں آیا اور للکار کر کہا، خالد میرے سامنے آئیں۔ حضرت خالدؓ آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے۔ اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی بعدازاں اس قدر مل کر کھڑے ہوئے کہ گھوڑوں کی کھونتیاں مل گئیں۔

جرجہ: خالد سچ کہنا جھوٹ مت بولنا، آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا۔ فریب شرفاء کا شیوہ نہیں، میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمہارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو۔

حضرت خالدؓ:- نہیں۔

جرجہ: پھر تمہارا لقب سیف اللہ کیوں ہے؟

حضرت خالدؓ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا انہوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے۔ بعض نے تصدیق کر کے پیروی اختیار کی۔ بعض دور دور رہ کر جھٹلاتے رہے۔ میں ان میں تھا جو تکذیب پر قائم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دیئے اگر دنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی، اس وقت ارشاد ہوا: ــــــ

"اے خالد تو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو مشرکین کے مقابلے کے لیے نیام سے نکلی ہے۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔

جرجہ :۔ تم نے سچ کہا اب یہ بتاؤ کہ دعوت اسلام کیا ہے؟

حضرت خالدؓ :۔ اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس پیغام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لائے۔

جرجہ :۔ اگر اس کو کوئی نہ مانے۔

حضرت خالدؓ :۔ جزیہ دے۔

جرجہ :۔ یہ بھی قبول نہ کرے۔

حضرت خالدؓ :۔ ہم اعلانِ جنگ کریں گے۔

جرجہ :۔ جو تم میں شامل ہو، اس کا مرتبہ؟

حضرت خالدؓ :۔ اللہ کا فرمان ہے کہ سب مسلمان درجہ میں برابر ہیں۔ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ۔ اوّل ہوں یا آخر۔

جرجہ :۔ جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہو گا؟

حضرت خالدؓ :۔ برابر ہو گا بلکہ افضل۔

جرجہ :۔ یہ کس طرح

حضرت خالدؓ : ہم نے جب اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ آپؐ احکام آسمانی کی خبر دیتے تھے۔ ہم معجزات و تصرفات مشاہدہ کرتے تھے۔ اس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم ان باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو ہم سے افضل ہو۔

جرجہ :۔ تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے پورا سچ کہا، دھوکا نہیں دیا، تالیفِ قلب نہیں کی۔

حضرت خالدؓ :- واللہ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہے جو تم نے پوچھا اس کا سچا جواب میں نے دے دیا۔ اللہ میرا مددگار ہے۔

جرجہ : بے شک تم نے سچ کہا۔

یہ کہہ کر اپنی ڈھال پس پشت ڈال دی اور کہا مجھ کو اسلام کی تلقین کرو۔

حضرت خالدؓ اس کو اپنے خیمے میں لے گئے، اوّل غسل دیا پھر تلقینِ اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بنا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلّہ کر دیا۔ جس وقت حضرت خالدؓ جرجہ کو لے کر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے ہلّہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدانِ جنگ یکساں گرم رہا انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارے سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابلِ دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالدؓ کے پہلو بہ پہلو نشۂ ایمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں شہادت سے کامیاب ہوئے اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغازِ اسلام کا نیاز تھی سرخ رُو اپنے رب کے حضور میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ

(۶) جرجہ کی سفارت کے جواب میں دوسرے دن حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو سفیر بنا کر باہان کے پاس بھیجا۔ باہان نے اپنی شان و شوکت اور فوجی کثرت و قوت کے مظاہرے کا خاص اہتمام کیا۔ راستے میں دونوں جانب پیدل فوج کی دس دس صفیں تھیں اور ان کے پیچھے سواروں کی نہایت طویل قطاریں تھیں۔ یہ تمام سپاہی زرہ پوش اور پوری طرح مسلح تھے۔ حضرت خالدؓ پر اس مظاہرے کا کوئی اثر نہ ہوا وہ رومیوں کے درمیان سے اس طرح گزرے جیسے بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کے درمیان سے شیر گزرتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے بڑے احترام سے استقبال کیا اور خیمے میں لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے پہلے کچھ رسمی باتیں ہوئیں اس کے بعد باہان

نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعریف سے کیا اور پھر کہا :-

"ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے اور ہماری قوم دنیا کی تمام قوموں سے بہتر قوم ہے۔"

حضرت خالدؓ نے قطع کلام کر کے فرمایا :-

"تم اپنے بادشاہ کو جو چاہو سمجھو لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اگر اس کے دل میں ایک لحظہ کے لیے بھی بادشاہی کا خیال آئے تو ہم اس کو فوراً معزول کر دیں۔"

باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے ملک کی خوشحالی اور دولت کا ذکر کر کے کہا :—

"اہل عرب آزادی کے ساتھ اس ملک میں آتے جاتے تھے۔ ان میں سے جو یہاں آباد ہو گئے ہم نے ان کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ برتاؤ کیا لیکن تم لوگ ہمارے ممنون ہونے کی بجائے اس ملک پر چڑھ دوڑے۔ تم کو معلوم نہیں کہ تم سے پہلے کئی اور قوموں نے اس ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن سب نے منہ کی کھائی۔ پھر تم جیسی جاہل، وحشی اور بے سروسامان قحط زدہ قوم اس ملک کو کیا فتح کرے گی۔ شاید تم افلاس اور قحط سالی سے مجبور ہو کر اس ملک میں داخل ہوئے ہو اس لیے ہم تمہاری جسارت سے درگزر کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم ہمارا ملک خالی کر دو تو ہم تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار، ہر افسر کو ایک ایک ہزار اور ہر سپاہی کو سو سو دینار دلا دیں گے۔"

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضرت خالدؓ نے اس کے جواب میں حمد و نعت کے بعد فرمایا :—

"تم نے اپنی قوم کے تمول اور جاہ و حشمت کا جو حال بیان کیا ہے ہم اس کو جانتے ہیں، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا

بھی ہمیں علم ہے لیکن یہ تمہارا احسان نہ تھا بلکہ یہ تم نے اپنی سلطنت اور مذہب کو فروغ دینے کے لیے کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ عیسائی ہو گئے اور آج وہ تمہارے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ہم نہایت مفلس نادار اور خانہ بدوش تھے۔ ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ جو قوی ہوتا تھا وہ کمزوروں کو کھا جاتا تھا قبائل ایک دوسرے سے لڑ کر تباہ ہو جاتے تھے ہم نے اپنے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت بناتے تھے اور ان کو پوجتے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ وہ ہم میں سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ پاکباز اور نیک سیرت تھا۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، بت پرستی کو چھوڑ دیں۔ اس کے بیوی اور اولاد نہ مانیں۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم اس کے لائے ہوئے دین کو دنیا میں بھی پھیلائیں۔ جس نے اس دین کو مان لیا وہ ہمارا بھائی ہے جو دین میں تو داخل نہ ہوا لیکن جزیہ دینا قبول کیا، ہم اس کی حفاظت کے ضامن ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو تو پھر وہ سمجھ لے کہ اس کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو موت کو اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جیسے وہ زندگی کو۔ ملک خدا کا ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ انجام کار وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔"

باہان نے حضرت خالدؓ کی تقریر سن کر کہا:۔

"نہ ہم میں سے کوئی تمہارا دین قبول کرے گا اور نہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو گا۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔"

غرض گفتگو سے صلح ناکام ہو گئی اور حضرت خالدؓ اٹھ کر اپنے لشکر میں آ گئے۔

(۷) ایک موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ کو اس قدر دبایا کہ وہ فوج سے الگ ہو کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا یہاں تک کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گیا۔ عورتوں نے اپنے مردوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان کو سخت غصہ آیا۔ اسلام کی ان غیور بیٹیوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پیچھے ہٹنے والوں سے پکار کر کہا، اگر تم ادھر آئے تو یہ چوبیں تمہارے سر توڑ دیں گی۔ بعض خواتین انہی چوبوں کے ساتھ رومیوں پر پل پڑیں اور بہت سے رومیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ عورتوں کا جوشِ ایمان دیکھ کر پیچھے ہٹنے والے مجاہدین کے قدم جم گئے اور وہ بڑے جوش سے لڑنے لگے۔ عین اس وقت حضرت خالدؓ صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی کئی صفیں ابتر کر دیں۔ لیکن ان کا دباؤ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اب حضرت خالدؓ اسلامی میمنہ میں پہنچے، اس کی ترتیب از سر نو درست کی اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:

"مسلمانو! دشمن کا جوش و خروش اور بہادری تم دیکھ چکے۔ اب اس پر پوری قوت سے ٹوٹ پڑو اللہ تمہیں کامیاب و کامران کرے گا۔"

حضرت خالدؓ کی للکار پر مسلمان دو چند جوش کے ساتھ لڑنے لگے۔ یکایک حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور رومیوں سے مخاطب ہو کر کہا:-

"رومیو! میں کسی زمانے میں (قبول اسلام سے پہلے) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے سامنے پسپا ہو جاؤں گا؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہو گا۔" ——— یہ کہہ کر اپنی فوج کی طرف دیکھا اور کہا: ———

"آؤ کون میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے۔"

ان کی آواز پر چار سو جانباز آگے بڑھے اور ان کے ہاتھ پر مرنے کی بیعت کی اس کے بعد ان سرفروشوں نے حضرت خالدؓ کے خیمے کے سامنے نہایت بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے ———

حضرت عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر سے ملی۔ ابھی کچھ دم باقی تھا حضرت خالدؓ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور حلق میں پانی ٹپکا کر کہا :

"خدا کی قسم! عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم (بنو مخزوم) شہادت سے محروم رہیں گے۔" [1]

غرض حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھی خود شہید ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی بھی ہلاک کر دیئے۔ حضرت خالدؓ کے تابڑ توڑ حملوں نے بھی ان کا زور توڑ دیا اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت خالدؓ تعاقب کرتے ہوئے ان کے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے جو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

"میرے سر اور آنکھوں پر کپڑا ڈال دو کاش میں مسلمانوں کو آگے بڑھتے نہ دیکھ سکتا۔"

آخر درنجار مسلمانوں کے گھیرے میں آگیا اور مارا گیا۔

مختصر یہ کہ مسلسل تین دن تک فریقین میں خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ تیسرے دن رومیوں نے بار بار خوفناک حملے کیے لیکن مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے اور ہر حملے کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا بالآخر انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیئے۔ نیزے سیدھے کر لیے اور سر بکف دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے قدم لڑکھڑا گئے۔ عین اس وقت قیس بن ہبیرہؓ جن کو حضرت خالدؓ نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا، عقب سے نکلے اور رومیوں پر بجلی بن کر گرے۔ ساتھ ہی حضرت سعیدؓ بن زید قلبِ لشکر سے نکل کر

---

[1] یہ طبری کا بیان ہے۔ بعض دوسری روایتوں کے مطابق حضرت عکرمہؓ — جنگِ یرموک دوم (۱۵ھ) سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ انہوں نے پہلی جنگِ یرموک (۱۳ھ) میں یا جنگِ اجنادین (۱۳ھ) میں شہادت پائی۔

رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان حملوں سے رومی حواس باختہ ہو گئے۔ ان کی تقریباً نصف فوج ہلاک یا زخمی ہو گئی اور باقی بھاگ نکلی۔ اس طرح مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے اس کے بعد رومی کبھی اتنی تعداد میں جمع نہ ہو سکے۔ ہرقل کو انطاکیہ میں شکست کی خبر پہنچی تو اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے :۔

" رخصت! اے شام "

اور پھر اس نے فی الواقع سرزمینِ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی راہ لی

۱۶

یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو قنسرین کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ اثنائے راہ میں حاضر کے مقام پر ایک نامور رومی جرنیل میناس ایک بڑی فوج کے ساتھ حضرت خالدؓ کے مزاحم ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو شکست فاش دی اور وہاں سے قنسرین کی طرف بڑھے۔ اہلِ قنسرین چند دن قلعہ بند ہو کر مدافعت کرتے رہے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا :۔

" تم اگر بادلوں میں جا چھپو گے جب بھی خدا ہمیں اٹھا کر تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے پاس اتار دے گا۔ "

یہ پیغام ملنے پر محصورین ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی درخواست کی حضرت خالدؓ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ شہر کی فصیل منہدم کر دی جائے۔

قنسرین کے بعد مسلمانوں نے حلب، انطاکیہ، منبج، مرعش، حصن حرث اور دوسرے بہت سے مقامات بھی آسانی سے فتح کر لیے۔ ان میں سے مرعش خاص حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

اب مسلمانوں نے بیت المقدس (یروشلم) کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں نے معمولی مزاحمت کی لیکن پھر اس شرط پر صلح کرنے پر آمادہ ہو

گئے کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود آکر معاہدۂ صلح لکھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ بیت المقدس عیسائیوں کا کعبۂ دین تھا اور مسلمانوں کے نزدیک بھی نہ صرف قبلۂ اوّل ہونے کی حیثیت سے نہایت معزز و محترم تھا بلکہ اس لیے بھی کہ یہ انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ رہا تھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے سفرِ معراج کی دوسری منزل کا آغاز فرمایا تھا۔ چونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے وہاں تشریف لے جانے سے کسی کُشت و خون کے بغیر یہ مقدّس شہر مسلمانوں کے ہاتھ آتا تھا اس لیے وہ بیت المقدس جانے پر آمادہ ہو گئے۔ رجب ۱۶ھ ہجری میں چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لیا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جابیہ پہنچے تو حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور دوسرے افسرانِ فوج نے استقبال کیا۔ یہ اصحاب دیبا و حریر کی قیمتی قبائیں پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو اس پُرتکلف لباس میں دیکھا تو برہم ہو کر گھوڑے سے اتر پڑے اور زمین سے کنکریاں اٹھا کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:۔

"تم لوگوں کو کیا ہوا جو اس تزئین و تکلف کے ساتھ میرے استقبال کو آئے ہو؟ دو ہی سال کے عرصے میں تم نے اپنی سادگی ترک کر کے عجمی وضع اختیار کر لی۔"

انہوں نے عرض کیا:۔

"امیرالمؤمنین ہم نے اپنی سپاہیانہ وضع ترک نہیں کی ہے ان قباؤں کے نیچے ہمارے ہتھیار موجود ہیں۔"

یہ سُن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں ۔۔۔ اس کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے اور معاہدۂ صلح لکھ کر عیسائیوں کے حوالے کیا۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔

۱۷ھ ہجری کے اوائل میں قیصرِ روم نے حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش

کی۔ اس کے اصل محرک اہل جزیرہ تھے۔ انہوں نے قیصر کو لکھا کہ آپ حمص پر فوجکشی کیجیے ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ ان کی تحریک پر قیصر نے ایک بڑا لشکر حمص کی طرف روانہ کیا۔ ادھر سے اہل جزیرہ بھی تیس ہزار فوج کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو اِدھر اُدھر سے جو کچھ فوج میسّر آسکتی تھی اس کو لے کر حمص کے باہر قیام کیا۔ حضرت خالدؓ اس وقت قنسرین میں تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام حالات کی اطلاع حضرت عمر فاروقؓ کو دی تو انہوں نے ہر طرف قاصد دوڑا دیئے کہ ہر جگہ سے فوج کا کچھ حصہ فوراً امداد کو پہنچے۔ حضرت سہیل بن عدیؓ کو حکم ہوا کہ جزیرہ پہنچ کر اہل جزیرہ کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ ساتھ ہی ولیدؓ بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر ان عرب قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت سہیلؓ اور ولیدؓ جزیرہ کی طرف بڑھے تو اہل جزیرہ کو گھر کی فکر پڑ گئی اور وہ حمص کا ارادہ چھوڑ کر واپس چل دیئے۔ عرب قبائل جو رومیوں کی مدد کے لیے آئے تھے وہ بھی پشیمان ہوئے اور حضرت خالدؓ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ہم اسی وقت رومیوں سے الگ ہو جائیں یا عین حالت جنگ میں ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھ کو نہ تمہارے ٹھہرنے کی پروا ہے نہ رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کی تاہم اگر تم سچے ہو تو عین موقع پر رومی لشکر سے الگ ہو کر کسی طرف نکل جانا۔

اہل جزیرہ کے الگ ہو جانے سے رومیوں کی قوت کمزور ہو گئی۔ اُدھر مسلمانوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تقاضا کیا کہ رومیوں پر حملہ کیا جائے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی حملہ کرنے کے حق میں رائے دی اور کہا کہ رومی ہمیشہ اپنی کثرتِ تعداد کے بل پر لڑتے ہیں لیکن اب ان کو یہ بات بھی حاصل نہیں رہی اس لیے حملہ کرنے میں تاخیر مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فوج کے سامنے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا اور پھر رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ رومیوں نے اس حملہ کو سنبھالا لیکن دفعتہً عرب قبائل (جیسا کہ وہ حضرت خالدؓ سے قول و اقرار کر چکے تھے) رومی لشکر

سے الگ ہو کر پیچھے ہٹے۔ اس طرح رومیوں کو سخت دھچکا لگا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

علامہ شبلیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ :——

"یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد پھر کبھی ان کو پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔"

(۱۷)

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند نشین خلافت ہو کر (۱۳ھ میں) حضرت خالدؓ بن ولید کو شام کے سپہ سالار اعلیٰ (کمانڈر انچیف) کے عہدے سے سبکدوش کر کے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے ماتحت کر دیا تھا۔ بعض حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی حضرت خالدؓ کو مکمل طور پر معزول کر دیا لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ (۱۳ھ میں) حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کیا لیکن فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ البتہ ۱۷ھ ہجری میں ان کو مکمل طور پر معزول کر کے ایک عام سپاہی بنا دیا۔ اسلام کے اس عظیم ترین جرنیل کی معزولی کے کیا اسباب تھے؟ مؤرخین نے اس سلسلہ میں بہت سی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کو ذاتی طور پر ناپسند کرتے تھے اور بچپن ہی سے اُن کا دل حضرت خالدؓ کی طرف سے صاف نہیں تھا لیکن یہ قیاس بدیہی طور پر غلط ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ دیانت اور تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ امور مملکت میں اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ مملکت اسلامیہ اور اُمت کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے۔

مختلف روایتوں میں حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے جو قرین عقل معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :——

(۱) حضرت خالدؓ نے عسکری مزاج پایا تھا وہ بسا اوقات ایسے موقعوں پر بھی سختی سے کام لیتے تھے جہاں نرمی اور درگزر سے کام لیا جا سکتا تھا۔ ان کے برعکس حضرت ابو عبیدہؓ بڑے ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے اور تدبیر و شجاعت کے اوصاف سے بھی بہرہ ور تھے۔

(۲) حضرت خالدؓ بعض اوقات جوشِ شجاعت و تہوّر میں ایسے اقدامات کر بیٹھتے تھے جو حضرت عمرؓ کے نزدیک بے احتیاطی کی تعریف میں آتے تھے۔

(۳) حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا اور بعد میں اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ بعض صحابہ کرامؓ کو جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، حضرت خالدؓ کا یہ فعل پسند نہ آیا اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ وہ خالد کو معزول کر دیں۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور حضرت خالدؓ کا عذر قبول کر کے فرمایا: "میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا۔"

بقولِ بعض صدیق اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کے اس فعل کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کیا اور انہیں بری الذمہ قرار دیا لیکن حضرت عمرؓ مطمئن نہ ہوئے۔

(۴) حضرت خالدؓ بعض اوقات حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اجازت کے بغیر بھی کوئی کام کر بیٹھتے تھے۔ ۱۲ھ ہجری میں ان کا محاذِ جنگ کو چھوڑ کر خفیہ حج کرنا ایسا ہی کام تھا۔ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے درگزر سے کام لیا لیکن ان کو ہدایت کی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ ایسی باتوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۵) حضرت خالدؓ جزیہ لگان وغیرہ کا باقاعدہ حساب بارگاہِ خلافت میں نہیں بھیجتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک یہ طرزِ عمل قابلِ گرفت تھا۔

(۶) حضرت خالدؓ فوجی معاملات میں قدم قدم پر بارگاہِ خلافت سے رہنمائی اور اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ فوجی معاملات کو موقع پر موجود افسران ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں، اس لیے ان کے پاس ہر قسم کا قدم اٹھانے کے وسیع اختیارات ہونے چاہئیں۔ حضرت عمرؓ کو

حضرت خالدؓ کے اس موقف سے اتفاق نہ تھا وہ اپنے آپ کو فوج کے ایک ایک سپاہی کی سلامتی اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے تھے اس لیے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی اہم قدم ان کے مشورہ کے بغیر نہ اٹھایا جائے۔

(۷) مسلمانوں میں یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کی جنگی مہارت اور قوتِ بازو پر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس قسم کے خیال کو اُمّتِ مسلمہ کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک فانی انسان پر حد سے زیادہ بھروسا کرنا نہ صرف قوتِ ایمانی کو کمزور کرنے کا باعث ہو سکتا تھا بلکہ اس سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے بھی محروم ہو سکتے تھے چنانچہ اس خیال کو مسلمانوں کے دل سے نکالنے کے لیے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد کے سب سے بڑے فاتح جرنیل کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ تمام اسباب اپنی جگہ پر کتنے ہی اہم ہوں حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۳ھ میں صرف حضرت خالدؓ کا عہدہ (RANK) گھٹانے پر اکتفا کیا اور پھر چار سال سے کچھ زائد عرصہ تک ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ۱۷ھ ہجری میں ان کی مکمل معزولی کا باعث جو واقعہ ہوا وہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک شاعر (اشعث بن قیس) کو ایک ہزار دینار (یا دس ہزار درہم) انعام دیئے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عمّال اور افسروں کی ہر بات پر کڑی نظر رکھتے تھے اور کسی ایسی چیز کو گوارا نہ کرتے تھے جو اسلام کی روح سے ہم آہنگ نہ ہو۔ ان کو حضرت خالدؓ کی شاہانہ فیاضی" کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ اگر خالدؓ نے یہ رقم سرکاری خزانہ سے دی تو خیانت کی اور اپنی گرہ سے دی تو اسراف کیا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ جو قاصد یہ خط لے کر گیا حضرت عمرؓ نے اس کو ہدایت کی کہ خالدؓ سے مجمع عام میں دریافت کرو کہ اتنا بھاری انعام آپ نے کہاں سے دیا؟ اگر وہ اپنی خطا کا اقرار کر لیں تو ان سے درگزر کرنا ورنہ دستور کے مطابق اس مجمع کے سامنے ان کو معزول کر دینا۔

قاصد نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر حضرت عمر فاروق رض کا فرمان مجمع عام میں پڑھا اور پھر حضرت خالد رض سے پوچھا کہ آپ نے اتنا بڑا انعام کہاں سے دیا؟ حضرت خالد رض نے جواب دیا کہ یہ انعام میں نے اپنے مال سے دیا اور میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ چونکہ انہوں نے خطا سے انکار کیا، قاصد نے کہا کہ آپ نے اسراف کیا اس لیے امیر المؤمنین کے حکم سے آپ کو معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا۔

ایک روایت کے مطابق یہ کام حضرت ابو عبیدہ رض نے کیا۔ اس موقع پر حضرت خالد رض نے کہا، میں نے فرمان سنا اور مانا۔ اب بھی میں افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔

ایک اور روایت میں ان سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔ "میں اپنا نفس اللہ تعالےٰ کو ہبہ کر چکا ہوں۔"

علامہ شبلی "الفاروق" میں لکھتے ہیں :-

"یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام عالمِ اسلام میں کوئی شخص نہ ہوا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا، اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رض کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رض کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔"

حضرت خالد رض نے حضرت عمر فاروق رض کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا لیکن وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے تھے اس لیے قدرتی طور پر ان کے دل میں قدرے ملال پیدا ہوا۔ وہ حمص گئے تو لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا :

"امیر المؤمنین نے مجھ کو افواج شام کا افسر بنایا اور جب میں نے سارا شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔"

ان کے اس اظہارِ ملال پر ایک مجاہد اٹھ کھڑا ہوا اور کہا، ایسی باتیں منہ سے

نہ نکلے لیے ان سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔
حضرت خالدؓ نے فرمایا: "میرے بھائی! عمرؓ کے ہوتے ہوئے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں۔ (کتاب الخراج۔ قاضی ابو یوسفؒ)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ معزولی کے بعد حضرت خالدؓ حمص ہوتے ہوئے مدینہ منوّرہ گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔
حضرت عمرؓ نے پوچھا، تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟
انہوں نے کہا، مالِ غنیمت کے حصوں سے میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ جو کچھ نکلے، وہ آپ لے لیجئے۔
حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا، بیس ہزار کی رقم زیادہ نکلی۔ حضرت خالدؓ نے یہ رقم بخوشی حضرت عمرؓ کے حوالے کردی۔ انہوں نے اسے بیت المال میں داخل کرا دیا اور حضرت خالدؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:
یَا خَالِدُ اِنَّکَ عَلَیَّ لَکَرِیْمٌ وَ اِنَّکَ اِلَیَّ لَحَبِیْبٌ۔
(اے خالد تم میرے نزدیک بزرگ و محترم ہونے کے ساتھ مجھے عزیز اور پیارے بھی ہو۔)
طبریؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے یہ شعر بھی پڑھا:

صنعت فلم یصنع کصنعک صانع
و ما یصنع الا قوام فاللہ یصنع

(تم نے بہت سے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے اور کوئی شخص بھی تم جیسے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکا لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومیں کچھ نہیں کیا کرتیں جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے)
اس کے بعد امیر المؤمنینؓ نے تمام ممالکِ محروسہ کو ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا کہ:

"میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، صرف اس لیے معزول کیا ہے کہ مسلمان جان لیں کہ اسلامی فتوحات کا انحصار خالد کے زور و قوت پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ہے۔"

"مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ معزولی کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ کو رہا، حران، آمد اور لرتہ کے علاقوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ وہ ایک سال تک اس منصب پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ استعفا دینے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت خالدؓ نے کچھ دن بیمار رہ کر ۲۱ھ ۶۴۲ء (بروایتِ دیگر ۲۲ھ ۶۴۳ء) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت خالدؓ نے (بصد حسرت و یاس) فرمایا:

"میں نے اپنی زندگی میں تقریباً تین سو (بروایتِ دیگر ایک سو سے زائد) جنگیں لڑی ہیں۔ میرے جسم کے ہر حصے میں تیروں، تلواروں اور نیزوں کے زخم لگے ہیں مگر شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ آج بستر پر اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں۔ خدا بزدلوں کو کبھی چین نصیب نہ کرے۔"

حضرت خالدؓ کی جائے وفات اور مدفن کے بارے میں اربابِ سیَر میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ انہوں نے مدینہ منوّرہ میں وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اس دن مدینہ کی خواتین خصوصاً بنی مغیرہ میں کہرام برپا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو رنج و غم سے نڈھال دیکھ کر فرمایا، بنو مغیرہ کی عورتیں رونے میں معذور ہیں بشرطیکہ واویلا اور سینہ کوبی نہ کریں۔ —— لیکن جمہور اہلِ سیَر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منوّرہ میں حضرت عمرؓ سے مل کر حمص چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان اہلِ سیَر میں واقدیؒ، طبریؒ، ابنِ عساکرؒ، ابنِ اثیرؒ، حافظ ذہبیؒ اور علامہ عینیؒ شارحِ بخاریؒ شامل ہیں —— ابنِ عساکرؒ

نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "حضرت خالدؓ کی قبر حمص میں ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے جنازے کو کس کس نے غسل دیا تھا اور کون کون جنازے پر حاضر ہوا تھا"

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ :۔

"صحیح یہ ہے کہ حضرت خالدؓ حمص میں فوت ہوئے اور ان کی قبر زیارت گاہ عوام ہے۔" (سیر اعلام النبلاء)

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وفات سے پہلے حضرت خالدؓ نے وصیت کی کہ میرے ہتھیار اور سواری کا گھوڑا اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے وقف کر دیئے جائیں۔

بقول حافظ ذہبیؒ ان کا سارا اثاثہ یہ تھا :۔

ایک غلام، ایک گھوڑا اور اسلحہ

ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت خالدؓ کے ترکے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا، اللہ ابو سلیمان پر رحم کرے، ہمیں یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس تنگ دستی سے گزارہ کرتے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں ابنِ عساکرؒ کہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے فرمایا :

"خالد کے مرنے سے اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پُر نہ ہو سکے گی۔ کاش اللہ تعالیٰ ان کو اور طویل عرصہ تک زندہ رکھتا۔"

۱۸

حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنی زندگی میں کئی نکاح کیے جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی لیکن ان کی تعداد اور ناموں کی تفصیل نہیں ملتی۔ اہلِ سیر نے صرف ان کے چار بیٹوں کے نام خصوصیت سے لیے ہیں۔ سلیمان جن کے نام کی نسبت سے حضرت خالدؓ کی کنیت ابو سلیمان تھی۔ عبداللہ جو عراقِ عرب کے کسی معرکے میں شہید ہوئے۔ مہاجر

جو جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ دو عبدالرحمنؓ جنہوں نے بہادری شہسواری اور سخاوت اپنے عظیم باپ سے ورثے میں پائی حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں وہ امیر معاویہؓ والیٔ شام کے ماتحت حمص کے امیر تھے۔ حضرت عبدالرحمنؓ اس مشہور لشکر میں ایک افسر کی حیثیت سے شریک تھے جس نے امیر معاویہؓ کے عہد میں سب سے پہلے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی اور جس کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "مغفور" ہونے کی بشارت دی تھی۔ ابنِ قتیبہؒ کے بیان کے مطابق حضرت خالدؓ کے کئی لڑکے اور پوتے ۱۸ھ ہجری کی وبائے عمواس (طاعون) میں فوت ہو گئے۔

ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ (دو نسلوں کے بعد) حضرت خالدؓ بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی اور مشرق و مغرب میں کوئی شخص بھی ان کی اولاد میں سے باقی نہ رہا ــــــ رہے نام اللہ کا ــــــ حضرت خالدؓ کی نسل تو باقی نہ رہی لیکن انہوں نے جو کارنامے سرانجام دیئے وہ ان کا نام ابد تک زندہ رکھیں گے

اربابِ سِیَر و تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید شکل و صورت قد و قامت اور آواز میں حضرت عمر فاروقؓ سے گہری مشابہت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ غلطی سے حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ سمجھ بیٹھتے تھے گویا حضرت خالدؓ کا حلیہ حضرت عمر فاروقؓ کا حلیہ تھا اور حضرت عمر فاروقؓ کا حلیہ علامہ شبلی نے "الفاروق" میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"رنگ گندم گوں، قد لانبا یہاں تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے نکلا ہوتا تھا رخسارے کم گوشت، گھنی کی ڈاڑھی، مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔"

(۱۹)

حضرت خالدؓ بن ولید اگرچہ خالص فوجی آدمی تھے لیکن علم و فضل سے تہی دامن

نہ تھے۔ ان سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاریؒ منفرد ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" اور "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ کے رواۃِ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، مقدام بن معدیکربؒ، قیس بن ابی حازمؒ، اشتر نخعیؒ، علقمہ بن قیسؒ، جُبیر بن نفیرؒ اور ابوالعالیہؒ وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت خالدؓ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے لیکن جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے مسندِ افتا پر نہ بیٹھے۔ ان کے فتووں کی تعداد تین چار سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ (قیامِ شام کے دوران میں) ایک مرتبہ ایک حمام میں غسل کے لیے گئے اور جسم کو عُصفُر نامی ابٹن سے رگڑا (یا ملوایا) جسے مٹی میں شراب ملا کر اور پھر اسے آگ میں پکا کر تیار کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو لکھا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے شراب سے تیار کیے ہوئے ابٹن کو اپنے جسم پر مَلا۔ اللہ نے شراب کے ظاہر اور باطن کو اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح اس نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو حرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح شراب پینے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اس کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا ہے چہ جائیکہ اس سے غسل کیا جائے۔ واضح ہو کہ شراب نجس ہے اسے ہاتھ نہ لگاؤ اور اگر (غلطی سے) ایسا کر لیا ہو تو آئندہ نہ کرنا۔"

حضرت خالدؓ نے جواب میں لکھا:۔

"ہم نے اس مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے شراب کی خاصیتیں قطعاً دُور کر دی تھیں اس لیے اس سے جسم صاف کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔"

دینی احکام اور مسائل سے حضرت خالدؓ کی واقفیت کا ثبوت اس حقیقت سے بھی ملتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کئی موقعوں پر تبلیغ اور اشاعتِ دین

پر مامور فرمایا۔ یہ فریضہ آپؐ انہی اصحاب کے سپرد فرماتے تھے جو اسلامی عقائد و اعمال اور دینی امور سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے اور ہر لحاظ سے مبلغ بننے کے اہل ہوتے تھے۔ بنو جذیمہ، بنو عبد المدان، بنو حارث بن کعب وغیرہ حضرت خالدؓ ہی کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح فتنہ زدہ میں بنو ہوازن، بنو عامر، بنو سلیم، بنو طے وغیرہ بھی دوبارہ انہی کی کوششوں سے اسلام لائے۔ جنگِ یرموک میں رومی سفیر جرجہ کو ایسے مؤثر پیرایہ میں اسلام کی تبلیغ کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

۲۰

حضرت خالدؓ بن ولید کے گلشنِ اخلاق میں شوقِ جہاد، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، رضا جوئی اور آپؐ کا ادب و احترام، شجاعت و جوانمردی، حق پسندی اور جود و سخا سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ شوقِ جہاد تو ان کی زندگی کا اتنا نمایاں پہلو ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ۸ھ میں مشرف بہ ایمان ہوئے اور اس کے بعد تقریباً چودہ برس تک حیات رہے۔ اس مدت کا بیشتر حصہ میدانِ جہاد میں گزارا۔ تقریباً سوا سو (اور بروایتِ دیگر تین سو) لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہر ایک میں کامیاب ہوئے۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر کسی نہ کسی ہتھیار کا زخم نہ لگا ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی کوئی رات (یہاں تک کہ شبِ عروسی بھی) مجھے اُس سخت رات سے محبوب نہیں جس میں دشمنوں سے لڑوں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ شہادت نصیب ہو لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہتھیار بنا ہی نہیں تھا جو میدانِ جنگ میں "اللہ کی تلوار" کو توڑ سکے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اور کسی کی زبان سے حضورؐ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس کچھ سونا آیا۔ اس وقت نجد کے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے تمام سونا ان میں تقسیم کر دیا لیکن ایک شخص اپنے حصے سے مطمئن نہ ہوا اور کہا:

"محمدؐ اللہ سے ڈر"

رحمتِ عالمؐ نے نہایت تحمل سے فرمایا:۔

"اگر میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اور کون اس کی اطاعت کرتا ہے۔"

حضرت خالدؓ بھی اس موقع پر موجود تھے وہ نجدی کی گستاخی پر سراپا جلال بن گئے تلوار نیام سے کھینچی اور حضورؐ سے اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپؐ سراپا عفو وکرم تھے فرمایا، خالد جانے دو۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کو ایک سریہ میں امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ بھی اس سریہ میں شریک تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھے بغیر ایک شخص کو اسلام کا اقرار کرنے پر پناہ دے دی۔ اس پر حضرت خالدؓ سے ان کی تکرار ہو گئی اور نوبت سخت کلامی تک پہنچ گئی۔ حضرت عمارؓ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور اپنے خلاف شکایت سن کر حضرت عمارؓ کو سخت سست کہنے لگے۔ حضورؐ نے اس پر بدیں الفاظ ناراضی کا اظہار فرمایا کہ جو شخص عمار سے بُغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بُغض رکھتا ہے وہ خدا سے بُغض رکھتا ہے۔

حضرت خالدؓ ارشادِ نبویؐ سن کر کانپ اٹھے۔ اسی وقت حضرت عمارؓ سے بار بار معافی مانگنے لگے لیکن وہ اس قدر رنجیدہ تھے کہ مجلسِ نبویؐ سے اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت خالدؓ بھی ان کے پیچھے ہو لیے اور اس قدر منت سماجت کی کہ بالآخر وہ راضی ہو گئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو عمار کو راضی کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مجھ کو محبوب نہ تھی۔

فتنۂ ردّہ میں انہوں نے مالک بن نویرہ کو جن اسباب کی بنا پر قتل کیا ان میں ایک یہ تھا کہ وہ اپنی گفتگو میں حضورؐ کا ذکر بار بار "صاحبک" کہہ کر کرتا تھا۔ اس پر حضرت خالدؓ برہم ہو گئے اور فرمایا:

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے صاحب نہیں تھے؟"

حضورؐ کے ساتھ ان کی محبت اور عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ کے کچھ موئے مبارک اپنی ٹوپی میں سلوا لیے تھے اور اسی کو پہن کر میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے۔ جنگِ یرموک میں ایک موقع پر یہ ٹوپی کہیں گر گئی تو سخت پریشان ہوئے۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسے تلاش کیا تب کہیں جا کر اطمینانِ خاطر میسّر ہوا۔

ان کی شجاعت، جوانمردی اور عسکری قابلیت کا لوہا دشمن بھی مانتے تھے۔ فوجوں کو اس طرح مرتب کرتے اور لڑاتے تھے کہ فتح یقینی ہو جاتی تھی۔ جنگی چالوں میں بھی حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ ان کی جنگی چالیں دشمن کو حواس باختہ کر دیتی تھیں اور وہ ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں خود فوجوں کی قیادت کرتے تھے اور صفِ اوّل میں ہو کر لڑتے تھے۔

حضرت خالدؓ نے ایک امیر کبیر گھرانے میں پرورش پائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں عیش و تنعم میں پڑنے سے بچا لیا گو وہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی سخت کوش تھے لیکن قبولِ اسلام کے بعد تو انہوں نے سخت کوشی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا۔ میدانِ جہاد میں راتیں جاگ جاگ کر کاٹتے تھے نہ خود سوتے تھے اور نہ اپنے ساتھیوں کو سونے دیتے تھے۔ خود کو بھی اور انہیں بھی ہر وقت چوکنا اور مستعد رکھتے تھے۔ دشمن کی تعداد، قوت اور نقل و حرکت کی ٹوہ لینے کا خاص اہتمام کرتے تھے اور اس کی کوئی بات ان سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

اپنے ماتحتوں سے حضرت خالدؓ کا سلوک نہایت مشفقانہ اور مربیانہ ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ فوج ان پر جان چھڑکتی تھی اور ان کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خالدؓ کی فطرت میں انفاق فی سبیل اللہ اور جود و سخا کا جذبہ بھی ودیعت کیا تھا ان کے پاس سامانِ حرب کا کافی بڑا ذخیرہ تھا۔ اسلام لائے تو اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ چونکہ اکثر جہاد میں مشغول رہتے تھے اس لیے بکثرت مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا۔ اس کا بیشتر حصہ وہ محتاجوں، غریبوں،

حاجت مندوں اور اپنے ماتحتوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود کفایت اور سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی داد و دہش شاعروں تک پر محیط تھی۔ ایک شاعر کو بہت بڑی رقم انعام میں دے دی اور یہی بات ان کی فوری معزولی کا باعث بن گئی۔

حضرت خالدؓ اپنے عسکری مزاج کے باوجود نہایت حق پسند اور خدا سے ڈرنے والے تھے۔ اگر کسی بات پر حضورؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا تو فوراً اس کی تلافی میں لگ گئے اور پھر ایسی بات کبھی نہ کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں اس وقت معزول کیا جب ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی انتہائی عروج پر تھی۔ مجمع عام میں ان کی ٹوپی اتاری گئی اور عمامہ گردن میں ڈالا گیا لیکن انہوں نے امیر المومنینؓ کے فرمان کے سامنے دم نہ مارا۔

قوتِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ کے موقع پر کسی شخص نے کہا کہ رومی کس قدر کثیر ہیں اور مسلمان کس قدر کم ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا:

"رومی کس قدر کم ہیں اور مسلمان کس قدر کثیر؟ فوج تائیدِ الٰہی کے ساتھ کثیر ہوتی ہے اور اللہ کے رسوا کر دینے سے قلیل ہوتی ہے۔ آدمیوں کی تعداد پر اس کا دار و مدار نہیں ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو یہ پسند ہے کہ میرا یہ اشقر گھوڑا اپنی دُکی چال چھوڑ دیتا اور مسلمان تعداد میں اور بھی کم ہو جاتے۔ (حضرت خالدؓ کے گھوڑے کے سُم زیادہ سفر کرنے کی وجہ سے پتلے پڑ گئے تھے)

(تاریخ طبری)

ایک مرتبہ (عراقِ عرب کی جنگوں کے دوران میں) حضرت خالدؓ حیرہ میں بنی مرازبہ کے امیر کے پاس ٹھہرے۔ مسلمانوں نے ان سے کہا کہ زہر سے بچیے گا عجمی آپ کو زہر نہ کھلا دیں۔ حضرت خالدؓ نے لوگوں سے زہر طلب کیا۔ زہر ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھر بسم اللہ کہہ کر اس کو نگل گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قوتِ ایمانی کی بدولت ان کو زہر کے اثر سے محفوظ رکھا۔
ایک اور روایت میں ہے کہ زہر کھاتے وقت حضرت خالدؓ نے یہ بھی فرمایا

"ہر گز کوئی نفس نہیں مرے گا، یہاں تک کہ اس کا وقت آجائے۔"

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید مستجاب الدعوات اور صاحبِ کرامات بھی تھے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں ان کی کئی کرامات نقل کی ہیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شجاعت اور جوانمردی کے معترف اور مداح تھے، یہی سبب تھا کہ آپؐ نے انہیں "سیف اللہ" کا مہتم بالشان لقب مرحمت فرمایا۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت خالدؓ فاتحانہ شان کے ساتھ ایک گھاٹی سے نمودار ہوئے اور حضرت ابوہریرہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ وہ سامنے خالد آرہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: "یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب آدمی ہے۔" (مسندِ احمدؒ)

ایک اور موقع پر حضورؐ نے فرمایا:-

"تم لوگ خالد کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر کھینچا ہے۔"

عہدِ رسالت میں ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے تحصیل زکوٰۃ کے سلسلے میں حضرت خالدؓ پر سختی کی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

"تم لوگ خالد پر زیادتی کرتے ہو، اس نے اپنا تمام سامانِ حرب اللہ کی راہ میں وقف کر دیا اب اس پر زکوٰۃ کیسی؟"

خود حضرت خالدؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس دن سے میں اسلام لایا اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین موقعوں پر حضرت خالدؓ کو کئی جلیل القدر (قدیم الاسلام) صحابہؓ پر افسر بنایا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی عراقِ عرب اور شام کی جنگوں میں ان کو متعدد عظیم المرتبت صحابہؓ پر امیر مقرر کیا۔

سیدنا حضرت خالدؓ بن ولید کی سیرت و کردار اور عظیم الشان کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں یہاں اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا جا سکتا تھا وہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب ہم اس تذکرۂ جمیل کو "خالدؓ سیف اللہ" کے مؤلف ابو زید شلبی کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:-

"اللہ حضرت خالدؓ بن ولید پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے اسلام کی خاطر جو خدمات سرانجام دیں وہ ایسی ہیں کہ بھلائی نہیں جا سکتیں۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ان کی زندگی کے واقعات پر غور کرے اور اپنے میں بھی وہی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے جو حضرت خالدؓ میں تھیں کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی انہی صفات کو اختیار کرنے میں مضمر ہے۔"

رضی اللہ تعالٰی عنہ

حضرت عمرؓو بن العاص سہمی ○ فاتحِ مصر

①
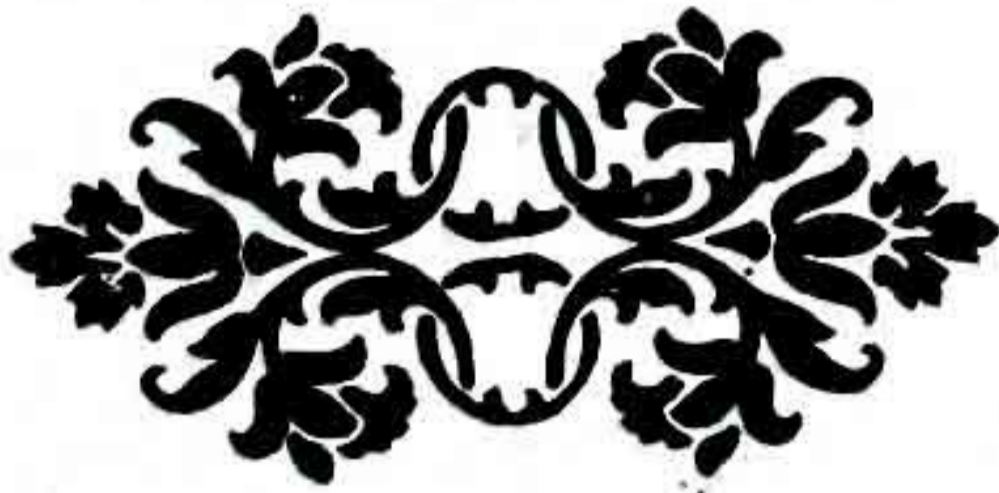
ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مہم کی قیادت کے لیے اپنے کسی ایسے جاں نثار کی ضرورت محسوس ہوئی جو عسکری امور میں مہارت رکھتے ہوں اور قائدانہ صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور ہوں۔ آپؐ نے اس کام کے لیے جن صاحب کو موزوں خیال فرمایا ان کو پیغام بھیجا کہ لباس بدل کر اور ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر فوراً آجائیں۔ چھوٹے قد کے یہ تنومند صاحب رسول مسلح ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ وضو فرما رہے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر نظر نیچی کر کے فرمایا:

"میں تم کو فلاں مہم پر امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مالِ غنیمت بھی ہاتھ آئے گا جس میں سے تم کو معقول حصہ ملے گا۔"

انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میں مال و دولت کی خاطر اسلام نہیں لایا بلکہ اس کو خلوصِ قلب سے قبول کیا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "مالِ صالح مردِ صالح کے لیے بہتر ہے۔"

لسانِ رسالتؐ سے یہ الفاظ سن کر وہ صاحب خوشی خوشی اُس مہم کو سر کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہ صاحبؓ رسولؐ جن پر سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر اعتماد تھا کہ ان کو خاص مہموں کی انجام دہی کے لیے منتخب فرماتے تھے اور مردِ صالح کے لقب کا اہل سمجھتے تھے، حضرت عمرؓو بن العاص تھے۔

⑵

سیدنا حضرت ابو عبداللہ عمرؓو بن العاص کا شمار قرنِ اوّل کے ان عظیم سپہ سالاروں اور مدبرین میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی بے مثل شجاعت، جنگی مہارت اور حسنِ تدبیر سے اسلامی مملکت کو نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنو سہم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمرؓو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لُوّیّ بن غالب۔

ماں کا نام نابغہ بنت حرملہ بن حارث تھا۔ وہ بھی آلِ عدنان سے تھیں۔
زمانۂ جاہلیت میں فصلِ مقدمات کا عہدہ بنو سہم کے پاس تھا۔ اس لحاظ سے قریش میں ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

حضرت عمرؓو کا والد عاص بن وائل اپنے خاندان کا سردار تھا۔ اپنے وسیع تجارتی کاروبار اور مرفہ الحالی کی بنا پر وہ قریش کے سربرآوردہ رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے تموّل کا یہ عالم تھا کہ دیبا اور قاقم جیسے قیمتی کپڑوں کی قبائیں پہنا کرتا تھا۔ یہ شخص اسلام کا بدترین دشمن تھا اور ان اشرارِ قریش میں شامل تھا جو دعوتِ حق کے جواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھبتیاں کستے تھے، یومِ آخرت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کو ناممکن قرار دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے صاحبزادے حضرت قاسمؓ اور پھر حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی تو عاص بن وائل نے مشرکینِ قریش سے مخاطب ہو کر ان الفاظ میں اظہارِ مسرت کیا:۔

ان محمداً ابتر، لا ابن له یقوم مقامه بعده
فاذا مات انقطع ذکره واسترحتم منه

یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابتر (بے نام ونشان) ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے جو ان کا قائم مقام بنے۔ وہ مر جائیں گے تو تمہارا ان

سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔)

اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی جس میں حضورؐ کے دشمنوں کو ابتر قرار دیا گیا۔

بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ مشہور صحابی حضرت خبابؓ بن الارت لوہار کا کام کرتے تھے۔ ان کی کچھ رقم عاص بن وائل کے ذمہ تھی۔ انہوں نے اس رقم کا مطالبہ کیا تو عاص نے کہا، جب تک اسلام کو ترک نہ کرو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیزاری کا اظہار نہ کرو، تمہاری رقم نہیں دوں گا۔

حضرت خبابؓ نے فرمایا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں دینِ حق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کروں۔ مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن اسی دینِ حق پر اٹھوں گا۔

عاص نے حضرت خبابؓ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا، اگر سب مرنے کے بعد پھر زندہ ہونے والے ہیں تو جب میں اور تم دوبارہ زندہ ہوں گے تو اس وقت مجھ سے اپنی رقم کا مطالبہ کرنا، اس دن میرے پاس مال و دولت اور اولاد کی بہتات ہوگی، تمہاری رقم فوراً ادا کر دوں گا۔

اس پر سورۂ مریم کی آیات ۷۷ - ۸۱ نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور (ازراہِ تمسخر) کہتا ہے کہ میں (دارِ آخرت میں) مال و اولاد سے بہرہ مند ہوں گا۔ کیا اس شخص کو غیب کا علم ہے یا اس نے اللہ سے اس بات کا کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم بالفعل اس کی بات کو لکھے لیتے ہیں اور وقت آنے پر یہ سزا دیں گے کہ اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اس کی بیان کردہ چیزوں کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے وہ ہمارے پاس مجرد و تنہا ہو کر ہی آئے گا۔"

حضرت خبابؓ ایک مرتبہ پھر عاص کے پاس اپنی رقم کے تقاضے کے لیے گئے تو اس نے کہا:

"تم مسلمانوں کو وہم ہو گیا ہے کہ لوگ مٹی میں مل جانے کے بعد پھر جی اٹھیں گے

میں قسم کھاتا ہوں کہ مرنے کے بعد جینا بالکل ناممکن ہے۔"
حضرت خبابؓ نے اس کی باتوں کا معقول جواب دیا اور پھر اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر واپس آ گئے۔

عاص بن وائل کو مرتے دم تک قبولِ حق کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور وہ بعثتِ نبوی کے چند سال بعد حالتِ کفر ہی میں مر گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص اسی دشمنِ اسلام باپ کے فرزند تھے۔ وہ واقعہ فیل کے چھ برس بعد پیدا ہوئے۔ (اس طرح وہ عمر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ برس چھوٹے تھے)۔ باپ نے ان کی ولادت پر بڑی خوشی منائی، دس اونٹ ذبح کیے اور تمام رؤسائے قریش کی ضیافت کی۔ اس نے حضرت عمروؓ کی تربیت پر خاص توجہ دی اسی کا نتیجہ تھا کہ بڑے ہو کر وہ ایک کامیاب تاجر، نہایت اچھے سپاہی (شہسوار، قدر انداز اور شمشیر زن) اور اعلیٰ درجہ کے مدبّر بنے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو عاص بن وائل نے دینِ حق کی پُرزور مخالفت کی۔ حضرت عمروؓ نے بھی باپ کی پیروی کی اور سالہا سال تک کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے البتہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت ہشامؓ بن عاص کا نصیبہ ان سے زیادہ یاور تھا۔ وہ بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں ہی دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے اور قبولِ حق کی پاداش میں لاتعداد مصیبتیں برداشت کیں۔ جب اہلِ حق پر مشرکینِ قریش کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ۵ھ اور ۶ھ بعدِ بعثت میں حضورؐ کے ایما پر بہت سے مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ قریش نے ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے شاہِ حبشہ (نجاشی) کے پاس ایک وفد بھیجا۔ اس وفد کے سب سے سرگرم رکن حضرت عمروؓ بن العاص تھے۔ انہوں نے حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کو وہاں سے نکلوانے کی بہت کوششیں کیں لیکن نجاشی نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور وفد کو وہاں سے ناکام واپس آنا پڑا۔ وقت اسی طرح گزرتا گیا یہاں تک کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد بدر، اُحد اور احزاب کے معرکے بھی گزر گئے۔ اس وقت تک حضرت عمروؓ بن العاص پوری طرح مشرکین کے

ساتھ تھے۔ غزوۂ احزاب میں جب مشرکین میں بھاگڑ مچی تو انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ مل کر دو سو سواروں کا ایک دستہ لیا اور بطور ساقہ مشرکین کے لشکر کے عقب کی حفاظت کی۔ لیکن غزوۂ احزاب (۵ھ) میں مشرکین کی ناکامی نے ان کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ ڈالا اور وہ حضورؐ کی دعوت پر غور کرنے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ:۔

"غزوۂ احزاب سے واپسی کے بعد میں نے اسلام پر غور کرنا شروع کیا اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر کھلنے لگی اور دل و دماغ برابر متاثر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا میرا رویہ دیکھ کر قریش نے ایک آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے میرے پاس بھیجا۔ اس نے آکر مجھ سے بحث شروع کر دی میں نے پوچھا، ہم حق پر ہیں یا اہلِ فارس و روم۔ اس نے کہا ہم۔ اس پر میں نے اس سے سوال کیا، دولت اور عیش ان کو میسر ہے یا ہمیں؟ اس نے کہا، ان کو، میں نے کہا، تو پھر یہ ہماری حق پرستی (یعنی بت پرستی) کس دن کام آئے گی جبکہ ہم اس عالم کے بعد دوسرے عالم میں یقین ہی نہیں رکھتے اور اس دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلے میں تنگ حال ہیں۔ اسی لیے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تعلیم کتنی صحیح اور دل لگتی ہے کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔" (الاصابہ لابن حجرؒ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد حضرت عمروؓ نے صحیح خطوط پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔ یہی غور و فکر ان کے قبولِ اسلام کی بنیاد بن گیا۔

(۳)

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ خود بیان کیا ہے مُسندِ احمد بن حنبلؒ میں ان کی زبانی روایت ہے کہ:

"جب ہم لوگ غزوۂ احزاب سے واپس (مکہ) آئے تو میں نے اپنے تمام زیرِ اثر لوگوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ آ گئے تو میں نے ان سے کہا، خدا کی قسم تم لوگ باور کر لو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات تمام باتوں پر سر بلند ہو گی۔ اس میں کسی تذبذب اور شک کی گنجائش نہیں۔ میری ایک رائے ہے معلوم نہیں تم اس کو کیسا سمجھتے ہو۔ انہوں نے پوچھا کیا رائے ہے؟ میں نے کہا، میرا خیال ہے کہ ہم لوگ نجاشی کے پاس حبش جا کر مقیم ہو جائیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم لوگ وہیں نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے کیونکہ نجاشی کے پاس رہنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماتحت ہو کر رہنے سے بہتر ہے اور اگر ہماری قوم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غالب آ گئی تو ہمارے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا ہی ہو گا کیونکہ ہم معزز لوگ ہیں۔ ــــــ میری رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ پھر باہمی مشورہ سے طے پایا کہ ہم اپنے ساتھ یہاں کی بہترین سوغات چمڑا لے جائیں اور اسے نجاشی کی خدمت میں پیش کریں اس سے وہ خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ ہم بہت سا چمڑا لے کر حبشہ پہنچے اور وہاں ٹھہر گئے۔ ابھی ہم حبش میں ہی تھے کہ عمرؓو بن امیہ ضمری وہاں آئے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضرورت سے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ ہمیں ان کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ہم نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حسب معمول اس کو سجدہ کیا، اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور پوچھا، کیا اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے کہا، حضور بہت سا چمڑا تحفہ میں لایا ہوں۔ یہ کہہ کر جو چمڑا ہم ساتھ لے کر گئے تھے اس کو پیش کیا۔ اس نے بہت پسند کیا۔ پھر میں نے عرض کیا، جہاں پناہ آپ کے پاس ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا ہے جسے ہم نے دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ اسے قتل کے لیے ہمارے حوالے کر دیں۔ اس نے ہمارے بہت سے اشراف و اکابر کو تکلیفیں پہنچائی ہیں ـــ میری

بات سن کر نجاشی بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ گئی۔ (بادشاہ کا ردِ عمل دیکھ کر) میں اس قدر نادم ہوا کہ زمین میں سما جانا چاہتا تھا۔ پھر میں نے عرض کیا، اے شاہِ عالی جاہ اگر میں یہ جانتا کہ میری بات آپ کو ناگوار گزرے گی تو میں یہ ہرگز منہ سے نہ نکالتا۔

بادشاہ نے کہا، تم ایک ایسے شخص کو مجھ سے قتل کرنے کے لیے مانگتے ہو جو اس ہستی کا قاصد ہے جس کے پاس ناموسِ اکبر آتا ہے، وہی ناموسِ اکبر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔

میں نے عرض کیا، عالی جاہا کیا واقعی وہ ایسا ہے؟

بادشاہ نے کہا، عمرو، تم پر افسوس ہے، میری مانو تو اس کی پیروی اختیار کرلو۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہے اور وہ اسی طرح اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔ میں نے کہا، تو پھر آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجیے۔ چنانچہ نجاشی نے ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اسلام کی بیعت کرلی۔ یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا تو میرے خیالات میں یکسر انقلاب آچکا تھا لیکن میں نے ان پر اس کا اظہار نہیں کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر (باقاعدہ) قبولِ اسلام کے لیے عازمِ مدینہ ہوا۔ راستے میں خالدؓ بن ولید مل گئے۔ وہ مکے سے آرہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، اے ابا سلیمان کہاں کا قصد ہے؟ خالدؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، واللہ یہ صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہیں اس لیے میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں، آخر ہم کب تک کفر کی ظلمت میں بھٹکتے رہیں گے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم میں بھی اسی ارادہ سے جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئے پہلے خالدؓ بن ولید نے آپؐ کی بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں لیکن پہلے میرے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، عمرو! بیعت کرلو، اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی ماقبل کے گناہوں کو منقطع کر دیتی ہے۔

آپؐ کا ارشاد سن کر میں مطمئن ہوگیا فوراً آپؐ کی بیعت کی اور پھر مکہ آگیا۔"

امام حاکمؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن طلحہ عبدری نے بھی اسلام قبول کیا۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عمروؓ بن العاص نے مکہ واپس آکر وہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا۔ اب ان کے لیے دیارِ حبیبؐ سے دور رہنا محال تھا۔ چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ یہ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے۔

(۴)

حضرت عمروؓ بن العاص کے مدینہ آنے کے بعد متعدد غزوات پیش آئے۔ اہلِ سِیَر نے ان غزوات میں حضرت عمروؓ بن العاص کی شرکت اور کسی کارنامہ کا خصوصیت سے ذکر نہیں کیا لیکن قیاس یہ ہے کہ وہ ان غزوات میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے کیونکہ نہ شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضورؐ کو ان پر بہت اعتماد تھا اس لیے کئی سرایا ان کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ ان میں سے سریۂ ذات السلاسل اور سریۂ سواع بہت مشہور ہیں۔

سریۂ ذات السلاسل

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وادی القریٰ میں بنو قضاعہ کا ایک گروہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے جمع ہوا ہے۔ یہ مقام مدینہ سے دس یوم کی مسافت پر واقع تھا۔ جمادی الآخرہ ۸ھ ہجری میں آپؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو تین سو مہاجرین و انصار کے ہمراہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمروؓ کی دادی

بنو قضاعہ سے تھی اور وہ اس علاقے سے خوب واقف تھے اسی لیے حضورؐ نے اس مہم کی قیادت کے لیے انہیں بطور خاص منتخب کیا۔ حضرت عمروؓ مفسدین کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضورؐ سے کمک مانگ بھیجی۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو دو سو آدمی دے کر ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ کہتے ہیں کہ مفسدہ پردازوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑ سکیں۔ اسی لیے یہ سریہ ذات السلاسل (زنجیروں والا) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے پہنچنے پر مہم کی امارت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا لیکن بالآخر حضرت عمروؓ کی امارت پر اتفاق ہو گیا۔ مجاہدین نے دشمن پر کاری ضربیں لگا کر اسے منتشر کر دیا اور حضرت عمروؓ بن العاص مظفر و منصور مدینہ واپس آئے۔ (ابن سعدؒ)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ دراصل حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو قبائل بلی و عذرہ کی طرف اشاعتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے دربارِ رسالت سے امداد طلب کی اور یہ سریہ پیش آیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس کو سریہ عمروؓ بن العاص بھی کہا جاتا ہے۔

سریۂ سواع

سُواع قبیلہ ہذیل کا بت تھا جو مکہ معظمہ سے تین میل دُور ایک مقام رُہاط میں نصب تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا۔ وہ جب وہاں گئے تو سُواع کے مجاور نے پوچھا، تم کس غرض سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، سُواع کو ڈھانے کے لیے۔ مجاور نے بڑی تحدی کے ساتھ کہا، تم ایسا نہیں کر سکتے، سُواع خود اپنی حفاظت کرے گا۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا، تمہاری عقل پر افسوس ہے بھلا ایک بُت جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے، وہ اپنی حفاظت کیا کرے گا؟

پھر انہوں نے آناً فاناً سُواع کو زمین بوس کر دیا اور مجاور سے کہا، تم نے اس کی بے بسی دیکھ لی ہے! وہ یہ واقعہ دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام

ہوگیا۔

علامہ بلاذری ؒ نے "فتوح البلدان" میں بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد حضور ؐ نے حضرت عمرو ؓ بن العاص اور حضرت ابو زید انصاری ؓ کو جو حافظ قرآن تھے، دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا۔ یہ خط وہاں کے رئیسوں عبید و جیفر کے نام تھا۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور مجوسی المذہب تھے۔ دعوت اسلام کا خط ملنے پر دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کی ترغیب سے وہاں کے دوسرے لوگ بھی اسلام لے آئے۔ حضور ؐ نے حضرت عمرو ؓ بن العاص کو عمان کا عامل مقرر کر دیا اور وہ آپ ؐ کے وصال تک وہیں مقیم رہے۔

۵

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت کے آغاز میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑکے تو خلیفۃ الرسول ؐ نے حضرت عمرو ؓ بن العاص کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور ارتداد کی فتنہ سامانیوں کی اطلاع دی اور انہیں مدینہ بلا بھیجا۔ حضرت عمرو ؓ بحرین کے راستے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں بنی عامر کے رئیس قرۃ بن ہبیرہ کے ہاں قیام کیا۔ اس نے ان کو بڑی قدر و منزلت سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ جب وہ چلنے لگے تو انہیں تخلیہ میں لے جا کر کہا، آپ بہت ہوشمند اور فہیم ہیں، اس وقت عرب کی حالت نازک ہے، آپ خلیفۃ الرسول ؐ کو مشورہ دیں کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت قبول نہ کریں گے ہاں اگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو وہ فرمانبردار رہیں گے اس لیے بہتر یہی ہے کہ زکوٰۃ کا قانون منسوخ کر دیا جائے۔

حضرت عمرو ؓ بن العاص کو قرۃ کی باتیں سن کر جلال آگیا، فرمایا:

"قرہ! کیا تم کافر ہو گئے ہو جو ایسا کہتے ہو اور مجھے عربوں سے ڈراتے ہو خدا کی قسم میں منکرین زکوٰۃ کو گھوڑے کی ٹاپوں سے مسل ڈالوں گا۔"

یہ دو ٹوک بات کر کے وہ عازم مدینہ ہو گئے۔ ابن اثیر ؒ کا بیان ہے کہ بعد میں قرۃ بن ہبیرہ مانعین زکوٰۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سامنے پیش

کیا گیا تو اس نے اقرار کیا کہ زکوٰۃ کے بارے میں اس کی رائے نیک نیتی پر مبنی تھی لیکن وہ اسلام سے برگشتہ نہیں ہوا اور اس پر قائم رہا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس کے بیان کی تصدیق کی تو اسے رہا کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ارتداد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کرا دیا گیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص مدینہ پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ انہوں نے اپنے حسنِ تدبیر سے ان لوگوں کو اسلام پر قائم کیا اور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ واپس آئے۔ ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اپنے عہد پر دوبارہ عمان جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اپنے مفوضہ فرائض خدا ترسی کے ساتھ انجام دیتے رہو۔ چنانچہ وہ عہدِ صدیقی میں کم و بیش سوا سال تک عمان کی گورنری پر مامور رہے اور اپنے فرائض نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔

⑥

۱۲ھ ہجری میں ایران اور روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو شام بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمروؓ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ :

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سریۂ ذات السلاسل کا امیر بنا کر بنو قضاعہ کی طرف بھیجا تھا اس لیے میں نے بھی ارتداد کے موقع پر انہی کی مہم پر روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو عمان کا عامل بنایا اس لیے میں نے (فتنۂ ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد) تمہیں دوبارہ عمان کی امارت پر واپس کر دیا تھا۔ اب میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کے لیے زیادہ مفید ہے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے اس کے جواب میں خلیفۃ الرسولؐ کو لکھا :-

> "میں اللہ کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے تیر انداز ہیں اس لیے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیں پھینکیں۔"

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں عمان سے بلا کر فلسطین (جو اس وقت شام

احصہ تھا) کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ ان کے ماتحت فوج کی تعداد نو ہزار تھی جس میں قریش، ہوازن، ثقیف اور بنی کلاب کے لوگ شامل تھے۔ انہیں عَلَم دیتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو نصیحتیں کیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

"تم اب فلسطین کی جانب روانہ ہو جاؤ۔ تم اپنی فوج کے امیر ہو لیکن ابو عبیدہؓ بن الجراح سے اہم معاملات میں مکاتبت اور مشورت کرتے رہنا اور جب انہیں تمہاری امداد کی ضرورت ہو تو فوراً امداد دینا اور دیکھو ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں خدائے علیم و خبیر سے ڈرتے رہنا۔ تمہیں میں نے اُن لوگوں پر ترجیح دی ہے جن کو قبولِ حق میں تم پر سبقت حاصل ہے۔ تمہاری تمام سعی و جہد دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت کے لیے وقف رہنی چاہیے اور جہاد سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہونی چاہیے۔ تمہارے ساتھیوں میں مہاجرین و انصار اور اہلِ بدر بھی ہیں اور تم ان کے امیر ہو۔ ان کی عزت اور فضیلت کو ملحوظ رکھنا ایسا نہ ہو کہ تم امیر ہونے کی بناء پر ان پر اپنی فضیلت جتانے لگو۔ اس شیطانی غرور کو اپنے قریب ہرگز نہ پھٹکنے دینا، یہ محض نفس کا ایک فریب ہے۔ مِل جُل کر رہنا اور تمام کام باہمی مشورے سے کرنا۔ نماز باجماعت سے غفلت نہ برتنا۔ فوج کو کسی ہدایت کی ضرورت ہو تو مختصر نصیحت پر اکتفا کرنا۔ لڑائی کے دوران میں پورے استقلال، صبر اور پامردی سے کام لینا اور کسی حالت میں بھی قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ دنیوی مزخرفات اور لغویات سے کنارہ کش رہنا تا کہ صالحین اور ائمہ ہدایت میں شمار کیے جاؤ۔ کوشش کرتے رہنا کہ دشمن کے حالات تم تک برابر پہنچتے رہیں اور پہرہ داروں کو برابر اپنے کام پر مستعد رکھنا۔"

(فتوح البلدان - بلاذری)

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے لشکر کو لے کر فلسطین کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس وقت کچھ اور اسلامی لشکر بھی مختلف افسروں

کی قیادت میں شام میں داخل ہو چکے تھے۔ ہرقل کو مسلمانوں کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ ان میں سے ایک مضبوط فوج کی قیادت اس کے دو آزمودہ کار جرنیل تذارق اور قبقلار کر رہے تھے۔ انہوں نے فلسطین کے ایک مقام اجنادین میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عمرؓو بن العاص وہاں پہنچے تو اپنی فوج سے کئی گنا لشکر کو اپنے مقابل پایا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے شام میں موجود دوسری اسلامی فوجیں بھی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ اور حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں اجنادین پہنچ گئیں۔ اسی دوران میں رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغرسانی پر مامور کیا۔ وہ دیکھ بھال کر واپس گیا تو رومی سپہ سالار نے اس سے پوچھا، اسلامی لشکر کے بارے میں کیا خبر لائے؟ اس نے کہا:۔

"یہ لوگ رات کو عابد شب بیدار (راہب) ہیں۔ اور دن کو میدان جنگ کے شہسوار ہیں۔ فی اللیل رھبان وفی النھار فرسان۔ اگر ان کا کوئی شہزادہ بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو بھی اپنی شریعت کے مطابق سزا دیتے ہیں۔"

یہ سن کر رومی سپہ سالار نے کہا، "اگر واقعی یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے بیان کیا تو ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے زمین میں دفن ہو جانا بہتر ہے۔" لیکن اب لڑائی کو ٹالنا رومی سپہ سالار کے بس میں نہیں تھا۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا جس میں رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور ان کے ہزاروں آدمی تذارق اور قبقلار سمیت میدان جنگ میں کھیت رہے۔

اس لڑائی میں حضرت عمرؓو کے چھوٹے بھائی حضرت ہشامؓ بن عاص نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ وہ ایک تنگ گھاٹی میں شہید ہو کر گرے تو مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے کیونکہ ان کی لاش پر سے گھوڑے گزارے بغیر گھاٹی کی دوسری جانب مصروف وغا مسلمانوں کی مدد کو پہنچنا ممکن نہ تھا حضرت عمرؓو نے یہ صورت حال

دیکھی تو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"مسلمانو! ہشام کی روح اللہ کے پاس پہنچ گئی ہے اب یہاں اس کا جسدِ خاکی ہے اس کی خاطر دوسرے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالو۔"

یہ کہہ کر خود گھوڑا آگے بڑھایا اور ہشامؓ کی لاش پر سے گزر گئے۔ دوسرے مجاہدین نے بھی ان کی تقلید کی۔ اس طرح شہیدِ راہِ حق حضرت ہشامؓ کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اختتامِ جنگ پر حضرت عمروؓ نے تمام ٹکڑوں کو ایک بوری میں ڈال کر سپردِ خاک کیا۔ حضرت عمروؓ کو اپنے بھائی کی شہادت ہمیشہ یاد رہی۔ وہ کہا کرتے تھے، ہم دونوں رات بھر شہادت کے لیے دست بدعا رہے، صبح ہوئی تو ہشامؓ کی دعا قبول ہو گئی اور میری دعا نامقبول رہی، اس طرح ہشامؓ مجھ پر سبقت لے گیا۔

(۷)

معرکۂ اجنادین کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص بھی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور حضرت خالدؓ بن ولید کے بڑے لشکر کے ساتھ ہو گئے۔ اس میں ان کی حیثیت لشکر کے ایک حصہ کے افسر کی تھی۔ اس لشکر نے آگے بڑھ کر شام کے دارالحکومت دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ شہر پناہ کے تمام بڑے بڑے دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے گئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص "بابِ توما" پر مامور تھے۔ وہ رومیوں کو برابر دباتے رہے۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر فاروقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ انہوں نے بھی اس مہم کو جاری رکھنے کا حکم دیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

فتح دمشق کے بعد مسلمانوں نے فحل اور بیسان کے معرکوں میں رومیوں کو عبرتناک شکست دی۔ حضرت عمروؓ بن العاص ان معرکوں میں امتیازی حیثیت سے شریک رہے۔ رومیوں کی پے بہ پے شکستوں نے قیصرِ روم کو چونکا دیا۔ چنانچہ اس نے انطاکیہ

میں بہت بڑی فوج جمع کر کے مسلمانوں کو شام سے نکال دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ یہ فوج جس میں دو لاکھ کے قریب آزمودہ کار سپاہی اور افسر شامل تھے، مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر کے انطاکیہ سے چلی تو مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں اور یہ سب فوجیں متحد ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے کردار کی بلندی کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ وہ یہ کہ دمشق حمص وغیرہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے باشندوں کو یہ کہہ کر جزیہ کی رقمیں لوٹا دیں کہ سرِدست ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس اقدام کا ان شہروں کے لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور دُعائیں مانگتے تھے کہ خدا تم (مسلمانوں) کو پھر واپس لائے۔

مسلمان مجاہدین شام کے شہروں سے نکل کر یرموک پہنچے۔ (دریائے یرموک کے کنارے پر ایک کھلا میدان تھا) اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں ان کی تعداد مل ملا کر بھی چالیس اور پچاس ہزار کے درمیان تھی لیکن ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ پہلے دونوں طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ رومیوں کی خواہش تھی کہ مسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمان اس پر تیار نہ ہوئے۔ بالآخر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص اس جنگ میں اسلامی لشکر کے میمنہ کے سردار تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان کئی خونریز معرکے ہوئے جن میں فریقین نہایت بے جگری سے لڑے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ہر معرکے میں سربکف ہو کر دادِ شجاعت دی۔ وہ اپنی پُرجوش تقریروں سے لشکر میں آگ لگا دیتے تھے۔ ایک دو موقعوں پر رومی مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے لیکن اسلام کی ان غیور بیٹیوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر رومیوں کا منہ پھیر دیا اور پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمانوں کو بھی غیرت دلا کر میدانِ جنگ میں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

مسلمانوں نے بھی کئی بار جی توڑ کر حملے کیے لیکن رومیوں نے انہیں ہٹا دیا۔ آخر

مسلمانوں کی ثابت قدمی اور جاں بازی رنگ لائی۔ مسلمانوں کی فوج کے ایک حصے نے (لڑائی کے آخری دن) بجلی کی تیزی کے ساتھ رومیوں کے عقب سے حملہ کیا جس سے ان کی صفیں ابتر ہو گئیں۔ ان کی آدھی فوج تو میدانِ جنگ میں کام آئی اور جو لوگ زندہ بچ گئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت عمرو بن العاص، فلسطین کا کچھ حصہ فتح دمشق سے پہلے مسخر کر چکے تھے لیکن پھر انہیں دمشق، فحل اور یرموک وغیرہ کی مہموں میں شریک ہونا پڑا اس لیے جس خاص مہم پر وہ مامور ہوئے تھے وہ نا تمام رہ گئی تھی۔ یرموک کی لڑائی کے بعد وہ پھر اس طرف متوجہ ہوئے اور غزہ، نابلس، لُد، بیت جبرین اور عمواس وغیرہ یکے بعد دیگرے فتح کر کے بیت المقدس کے سوا تمام فلسطین کو اسلامی مملکت میں شامل کر دیا۔ اب انہوں نے رومی سپہ سالار ارطبون کو خط لکھا کہ بیت المقدس کو ہمارے حوالے کر دو اور اس مقدس شہر میں خونریزی نہ ہونے دو۔ لیکن ارطبون نے بڑا گستاخانہ جواب دیا جس میں ڈینگ ماری کہ اب عمرو بن العاص کو اس زمین کے ایک چپے پر بھی قبضہ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ حضرت عمرو نے آگے بڑھ کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بھی قنسرین کی مہم سر کر کے بیت المقدس پہنچ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ رومی سپہ سالار ارطبون اپنی فوج لے کر مصر چلا گیا تھا اس لیے بیت المقدس میں کچھ زیادہ فوج نہیں تھی۔ چنانچہ بیت المقدس کے باشندے بہت جلد ہمت ہار بیٹھے اور اس شرط پر بلا مزاحمت شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود یہاں آ کر ہمارے ساتھ تحریری معاہدۂ صلح کریں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے یہ شرط قبول کر لی اور چند مہاجرین و انصار کے ساتھ بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں عیسائیوں کی خواہش کے مطابق معاہدۂ صلح لکھ کر ان کے حوالے کیا۔ اس طرح یہ مقدس شہر کسی خون خرابے کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا اور سارا شام پورے فلسطین سمیت مسلمانوں کے زیرِ نگین ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد شام میں طاعون کی خوفناک وبا پھیل گئی جو "طاعونِ عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔ والیٔ شام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور ہزاروں دوسرے مسلمان اس وبا میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے وفات سے پہلے حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں اس مقام سے فوجیں ہٹا لینے کا مشورہ دیا لیکن وہ نہ مانے اور خود بھی طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹا لیں اور انہیں پہاڑوں پر پھیلا دیا۔ اس طرح وہ وبا سے محفوظ ہو گئیں۔

(۸)

جہادِ شام کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کی زندگی کا وہ دَور شروع ہوا جس میں وہ دُنیا کے نامور فاتحین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس دَور میں انہوں نے نہ صرف مصر کے وسیع وعریض اور سرسبز و شاداب ملک پر پرچمِ اسلام بلند کیا بلکہ اسلامی فتوحات کو طرابلس الغرب تک پہنچا دیا۔ مصر پر حضرت عمروؓ بن العاص کی لشکر کشی کے کیا محرکات تھے؟ اس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ مصر قیصرِ روم کا باجگزار تھا۔ شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد قیصر کی طرف سے مصر کے اندر سے بڑھنے کا خطرہ تھا (بقولِ بعض وہ حملہ کی تیاری کر رہا تھا)، دوسری روایت یہ ہے کہ مصری آئے دن شام میں گھس کر مسلمانوں پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کو زمانۂ جاہلیت میں بسلسلۂ تجارت اکثر مصر جانے کا اتفاق ہوا تھا وہ اس ملک کی زرخیزی اور شادابی سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ ملک اسلامی مملکت میں شامل ہو جائے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں حضرت عمروؓ بن العاص ان سے تنہائی میں ملے اور مصر پر لشکر کشی کی اجازت چاہی۔ شروع میں حضرت عمر فاروقؓ نے ان وجوہ کی بنا پر اجازت

دینے میں تامل کیا کہ شام کو سر کر لینے کے بعد اسلامی فوجوں نے ابھی پوری طرح دم بھی نہیں لیا تھا، دوسری یہ کہ طاعونِ عمواس میں پچیس ہزار مسلمان فوت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی فوجی طاقت قابلِ اطمینان نہیں تھی، تیسری یہ کہ دور دراز کا سفر تھا اور کئی مشکلات راستے میں حائل تھیں، چوتھی یہ کہ مقوقس والی مصر کی فوجی قوت اور وسائل کا صحیح اندازہ نہ تھا ۔ لیکن حضرت عمرؓو بن العاص بڑے بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھے انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ بالآخر حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں مصر کی طرف پیشقدمی کی اجازت دے دی۔ (یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ اجازت دیتے وقت امیر المؤمنینؓ کے پیشِ نظر شام پر مصر کی طرف سے حملے کا خطرہ بھی ہو اور حضرت عمرؓو بن العاص کے ذہن میں بھی یہ بات ہو کہ رومی فوجیں مصر میں جمع ہو کر کہیں شام اور فلسطین کے لیے خطرہ نہ بن جائیں) لیکن اس مقصد کے لیے صرف چار ہزار فوج فراہم ہو سکی۔

سہ ۱۸ ہجری کے اخیر میں حضرت عمرؓو بن العاص اسی فوج کے ساتھ مصر کی طرف بڑھے۔ سب سے پہلے باب الیون (بابلیون) کے مقام پر ایک مصری فوج نے ان کی مزاحمت کی لیکن حضرت عمرؓو نے اسے شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ کر العریش پہنچ گئے ۔ ابھی وہیں تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حدودِ مصر میں نہ داخل ہوئے ہو تو واپس آجاؤ اور داخل ہو چکے ہو تو اللہ کے بھروسے پر پیشقدمی جاری رکھو۔ العریش چونکہ حدودِ مصر میں واقع ہے اس لیے حضرت عمرؓو نے خط پڑھ کر کہا کہ اب تو ہم حدودِ مصر کے اندر پہنچ چکے۔ غرض العریش سے آگے بڑھ کر فرما پہنچے جو دریائے نیل کے کنارے ایک قدیم اور بڑا شہر تھا۔ اس کی حفاظت پر ایک مضبوط فوج مامور تھی۔ اس نے ایک ماہ تک مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی ـــــ اس کے بعد حضرت عمرؓو بن العاص بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچ گئے۔ قدیم زمانے میں یہ ایک بڑا شہر تھا لیکن اس وقت تباہ ہو چکا تھا۔

مؤرخ مقریزی کا بیان ہے کہ بعد میں یہی مقام دوبارہ آباد ہو کر "فسطاط" کے نام

سے مشہور ہوا۔ اس مقام پر حدِ نظر تک پھیلے ہوئے کھیتوں اور چراگاہوں کے درمیان ایک مضبوط قلعہ "قصرِ شمع" تھا۔ اس میں سرکاری فوج اور مصری سلطنت کے بڑے بڑے حکام رہتے تھے۔ چونکہ دریائے نیل اس کی فصیل کے نیچے بہتا تھا، جہاز اور کشتیاں اس کے دروازے پر آکر لگتی تھیں اس لحاظ سے یہ ایک نہایت اہم مقام تھا اور اس کو مسخر کیے بغیر مصر میں آگے بڑھنا سخت خطرناک تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ مصری فوج نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود مقوقس قلعہ میں پہنچ کر اس کا دفاع کر رہا تھا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے دربارِ خلافت سے مدد طلب کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دس ہزار (بروایتِ دیگر بارہ ہزار) فوج حضرت زبیرؓ بن العوام کی قیادت میں بھیج دی اس فوج کے دوسرے افسر حضرت مقدادؓ بن الاسود، حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ کو لکھا کہ حضرت زبیرؓ اور یہ تینوں افسر ایک ایک ہزار سواروں کے برابر ہیں۔ حضرت زبیرؓ کے بلند مرتبہ کے پیش نظر حضرت عمروؓ نے محاصرہ کا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے خندق کے اردگرد چکر لگایا اور خاص خاص مقامات پر سوار اور پیادے متعین کیے، اس کے ساتھ ہی منجنیقوں سے قلعہ کی دیواروں پر شدید سنگباری شروع کر دی لیکن اس سارے اہتمام کے باوجود جب قلعہ سات ماہ تک فتح ہونے میں نہ آیا تو ایک دن حضرت زبیرؓ یہ کہہ کر کہ آج مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، شمشیر بدست سیڑھی کے ذریعے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور مجاہدین نے ان کا ساتھ دیا۔ ان سب نے فصیل پر پہنچ کر اس زور سے تکبیر کے نعرے بلند کیے کہ مصری سمجھے مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہوکر ادھر ادھر چھپنے لگے ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سارا اسلامی لشکر اندر داخل ہوگیا۔ یہ دیکھ کر مصریوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی۔ حضرت عمروؓ نے معمولی شرائط پر صلح کر لی اور تمام اہلِ قلعہ کو امان دے دی۔ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے فرمان

کے مطابق اس علاقہ کی اراضی زمینداروں کے پاس رہنے دی گئی اور ان پر لگان لگا دیا گیا۔
بعض مؤرخین نے یہ سارے واقعات بابلیون کی تسخیر کے سلسلے میں لکھے ہیں لیکن ہم نے طبریؒ، بلاذریؒ اور مقریزیؒ کے بیانات کو ترجیح دی ہے۔

⑨

قصرِ شمع میں چند دن قیام کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص امیر المؤمنینؓ سے اجازت لے کر مصر کے سب سے اہم شہر اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ اثنائے راہ میں اشمون، عالیا، کوم، مافوف، کریون اور بعض دوسرے مقامات پر مصری فوج اسلامی لشکر کی مزاحم ہوئی لیکن ہر جگہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئی اور حضرت عمروؓ بن العاص یلغار کرتے ہوئے اسکندریہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ اسکندریہ میں پچاس ہزار رومی فوج متعین تھی اور ایک مضبوط بحری بیڑا بھی اس کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ شہر میں ہتھیاروں اور سامانِ رسد کے بڑے بڑے ذخیرے موجود تھے اس لیے رومیوں کے حوصلے بلند تھے اور انہوں نے قلعہ بند ہو کر آخری دم تک مقابلہ کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا ___ علامہ بلاذریؒ اور مقریزیؒ کا بیان ہے کہ مقوقس مسلمانوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن علی الاعلان جنگ سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں وہ قیصر کے قہر و غضب کا نشانہ بن سکتا تھا۔ دوسری طرف مقوقس کو یقین تھا کہ جن مسلمانوں نے قیصر کو شام سے نکال باہر کیا ہے وہ بالآخر مصر کو بھی مسخر کر لیں گے۔ چنانچہ اس نے حضرت عمروؓ بن العاص سے خفیہ معاہدہ کر لیا کہ یہ لڑائی ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے اور ہم طوعاً و کرہاً اس میں شریک ہیں اس لیے مسلمانوں کو خیال رکھنا ہو گا کہ ان کے ہاتھ سے میری قوم (قبطی) کو کوئی ضرر نہ پہنچنے پائے۔ جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور اپاہجوں کو چھوڑ کر ہر قبطی دو دینار سالانہ جزیہ ادا کرے گا اور جہاں جہاں مسلمان فوجیں جائیں گی قبطی ان کے لیے سڑکیں اور پل درست کریں گے، غلہ اور چارہ کی منڈیاں کھولیں گے۔ اور مسلمانوں سے ہر طرح کا تعاون کریں گے۔

بلاذری کا بیان ہے کہ لڑائی سے پہلے مقوقس نے اسکندریہ کی فصیلوں پر شہر کے تمام مردوں اور عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر کھڑا کر دیا تاکہ مسلمان ان کی کثرتِ تعداد سے مرعوب ہو جائیں۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے یہ منظر دیکھا تو مقوقس کو کہلا بھیجا کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کیے وہ فوج کی کثرت کے بل پر نہیں کیے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس ساز و سامان کے ساتھ ہمارے مقابلے پر آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مقوقس کو یہ پیغام ملا تو اس نے اہلِ اسکندریہ کو اس سے آگاہ کر کے کہا، اس میں کیا شک ہے کہ ان عربوں نے ہمارے شہنشاہ کو شام سے نکال کر قسطنطنیہ پہنچا دیا ہم لوگوں کی ان کے سامنے کیا حقیقت ہے؟ اس پر رومی بہت برافروختہ ہوئے اور مقوقس کو بہت جلی کٹی سنائیں وہ مصلحتاً خاموش ہو گیا۔ البتہ لڑائی میں قبطیوں نے کوئی سرگرمی نہ دکھائی بلکہ ایک حد تک الگ رہے۔ ایک روایت کے مطابق تو انہوں نے درپردہ مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ (راستے صاف کیے اور پلوں کی مرمت کی)

حضرت عمرؓو بن العاص نے رومیوں کے تیور دیکھے تو انہوں نے نہایت سختی سے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کے دفاعی انتظامات بڑے مضبوط تھے اس لیے وہ مقابلے پر ڈٹے رہے۔ عام طور پر وہ شہر کے اندر ہی رہتے تھے لیکن کبھی کبھی ان کا کوئی دستہ شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر آتا تھا۔ ایک دن ایسی ہی ایک جھڑپ میں بارہ مسلمان شہید ہو گئے۔ ایک اور موقع پر رومیوں نے ایک مسلمان کو شہید کر کے اس کا سر کاٹ لیا اور اس کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے بھی ایک عیسائی کا سر کاٹ لیا اور اسے اسی وقت رومیوں کے حوالے کیا جب انہوں نے شہید مسلمان کا سر واپس کیا۔

ایک اور موقع پر رومیوں نے گھات لگا کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد (ایک روایت کے مطابق ۲۳۶) کو شہید کر ڈالا لیکن حضرت عمرؓو بن العاص نے اس کا فوراً بدلہ لے لیا اور تمام حملہ آوروں کو تہس نہس کر دیا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ قیصرِ روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ خود اسکندریہ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کو پیغامِ اجل آ پہنچا، تاہم اسکندریہ

میں موجود رومیوں نے مقابلہ برابر جاری رکھا۔
ایک دن رومیوں کا ایک دستہ شہر سے نکلا تو اس میں سے ایک رومی جنگجو نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت مسلمہؓ بن مخلد اس کے مقابل ہوئے لیکن اتفاق سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ایک مسلمان شہسوار نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ان کو بچا لیا۔
یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عمروؓ بن العاص اس قدر غضب ناک ہوئے کہ ان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا "ایسے نامردوں کو میدانِ کارزار میں آنے کی کیا ضرورت ہے"۔ حضرت مسلمہؓ کو ان کی بات سن کر بہت رنج ہوا لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی مسلمانوں نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح اس زور سے حملہ کیا کہ رومی پیچھے ہٹتے ہٹتے قلعے کے اندر گھس گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ دیر تک قلعہ کے اندر معرکہ گرم رہا، آخر رومیوں نے سنبھل کر ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکلنا پڑا البتہ چار مجاہدین قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔ ان میں حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد بھی تھے لیکن رومی ان کو پہچانتے نہ تھے۔ انہوں نے ان چاروں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا مگر جب دیکھا کہ چاروں مرنے مارنے پر تیار ہیں اور کسی صورت میں زندہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے تو انہوں نے کہا کہ تم میں سے ایک آدمی ہمارے ایک آدمی کا مقابلہ کرے اگر تمہارا آدمی غالب آگیا تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔
حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ شرط منظور کر لی اور خود رومی جنگجو کے مقابلہ پر نکلنا چاہا لیکن حضرت مسلمہؓ نے کہا، آپ فوج کے سردار ہیں اگر خدانخواستہ آپ کو کوئی ضرر پہنچ گیا تو فوج کا کیا حال ہو گا۔ آپ پیچھے رہیں میں رومی کے مقابلہ پر جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھوڑا آگے بڑھایا اور رومی جنگجو کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخر حضرت مسلمہؓ نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ رومی ڈھیر ہو گیا۔ رومیوں نے اقرار کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور چاروں باہر آگئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص

حضرت مسلمہؓ کی بہادری سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنے پہلے الفاظ پر ندامت کا اظہار کیا اور ان سے معافی مانگی۔ انہوں نے صاف دلی سے معاف کر دیا۔ اسی طرح عرصہ تک جھڑپیں ہوتی رہیں اور محاصرہ طول کھینچتا گیا یہاں تک کہ دو سال گزر گئے۔ اُدھر حضرت عمر فاروقؓ اس تاخیر سے بہت متفکر تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمروؓ کو ایک سخت خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر رومیوں کی طرح آرام پسند ہو گئے ہو ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے، تمام فوج کو جمع کر کے جہاد کے فضائل پر خطبہ دو اور جن چار آدمیوں کو میں نے افسر بنا کر بھیجا تھا، جمعہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد ان کو فوج کے آگے کر کے فیصلہ کُن حملہ کرو۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے امیرالمؤمنینؓ کے فرمان کے مطابق تمام فوج کو جمع کر کے جہاد کے فضائل پر ولولہ انگیز خطبہ دیا۔ اس کو سُن کر تمام مجاہدین لڑائی کے لیے بے تاب ہو گئے۔ حضرت عمروؓ نے حضرت عبادہؓ بن صامت کو بُلا کر ان سے کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجئے۔ پھر اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزہ پر باندھا اور اس کو حضرت عبادہؓ کے سپرد کر کے کہا کہ یہ سپہ سالار کا عَلَم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ ساتھ ہی حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مقدادؓ اور حضرت مسلمہؓ کو فوج کے ہراول کا افسر مقرر کیا۔ اب مجاہدین نے حضرت عبادہؓ کی قیادت میں ایسا زبردست حملہ کیا کہ پہلے ہی ہلے میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ برّی اور بحری راستہ سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک ہزار آدمیوں کو اسکندریہ چھوڑا اور خود اندرونِ مصر بھاگنے والے رومیوں کا تعاقب کیا۔ اُدھر رومیوں نے موقع پا کر بحری راستے سے اسکندریہ میں موجود مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بہت سے مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔ حضرت عمروؓ کو اطلاع ملی تو بھگوڑے رومیوں کا تعاقب چھوڑ کر پلٹ پڑے اور حملہ آور رومیوں کو شکست دے کر اسکندریہ پر مضبوطی سے قبضہ کر لیا۔

اگرچہ یہ شہر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا لیکن حضرت عمروؓ نے عام آبادی میں سے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ قید کیا بلکہ جزیہ اور خراج تشخیص کرنے کے بعد سب کو امن و امان سے

رہنے کی اجازت دے دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کا خط اسکندریہ کے محاصرے کے چار ماہ بعد حضرت عمروؓ کو موصول ہوا۔ یہ خط ملنے کے بعد انہوں نے رومیوں پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن شرط یہ رکھی کہ شہر گیارہ ماہ بعد مسلمانوں کے حوالے کریں گے۔ حضرت عمروؓ نے کشت و خون سے بچنے کے لیے یہ شرط منظور کر لی اور گیارہ ماہ گزرنے کے بعد فوراً شہر پر قبضہ کر لیا۔

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اسکندریہ کی تسخیر سے مصر کے دوسرے شہروں میں موجود رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان شہروں کی تسخیر کے لیے حضرت عمیرؓ بن وہب، حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی اور حضرت خارجہؓ بن حذافہ کی سرکردگی میں مختلف اطراف میں لشکر روانہ کیے۔ کسی کسی جگہ رومیوں نے مزاحمت کی لیکن بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح تمام مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو فتح مصر کی خوشخبری دے کر حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ یہ مژدہ سن کر بے اختیار رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور پھر تمام اہلِ مدینہ کو جمع کر کے یہ خوشخبری سنائی۔

۱۰

مصر کی تسخیر کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص برقہ کی طرف بڑھے جو اسکندریہ اور طرابلس الغرب کے درمیان ایک شاداب اور گنجان آباد علاقہ تھا۔ برقہ حدودِ مصر سے باہر تھا لیکن اس کے باشندے حکومتِ مصر کے باجگزار تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے برقہ میں داخل ہو کر وہاں کے سب سے اہم اور مرکزی شہر انطابلس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے بہت جلد اطاعت قبول کر لی اور تیرہ ہزار دینار سالانہ جزیہ دینے کا اقرار نامہ لکھ دیا۔

برقہ کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ نے عقبہ بن نافعؒ کو زویلہ روانہ کیا جو سوڈان

کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا۔ اہلِ زویلہ نے کسی مزاحمت کے بغیر جزیہ دینا قبول کر لیا۔
اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے طرابلس الغرب کا رُخ کیا جو بحرِ روم کے کنارے افریقیہ کا ایک نہایت اہم مقام تھا۔ اہلِ طرابلس نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے شہر کی مشرقی سمت میں پڑاؤ ڈالا اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ دو ماہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن شہر میں داخلہ کا کوئی راستہ نہ ملتا تھا۔ ایک دن چند مسلمان شکار کو گئے۔ اتفاق سے ان کی نظر ایک خشک راستے پر پڑی جو سمندر میں پانی اتر جانے کی وجہ سے بن گیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شہر اور سمندر کے درمیان کوئی فصیل یا رکاوٹ نہیں ہے۔ لشکر میں واپس آ کر انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے حضرت عمروؓ بن العاص کو آگاہ کیا۔ انہوں نے فوراً اسی راستہ سے شہر پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے شہر والے بدحواس ہو گئے اور تھوڑی دیر مزاحمت کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔

طرابلس کی تسخیر کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص وہیں رہے اور فوج کا ایک دستہ سبرہ روانہ کیا جو طرابلس سے کچھ فاصلے پر ایک اہم شہر تھا۔ اہلِ سبرہ کو طرابلس کے واقعہ کا علم نہیں تھا اس لیے شہر کا پھاٹک کھول کر اطمینان سے کاروبار میں مشغول تھے۔ مسلمان اچانک یلغار کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ اہلِ سبرہ کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی اور انہوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔

حضرت عمروؓ بن العاص لاکھوں مربع میل پر پرچمِ اسلام بلند کر چکے تھے اور اب اسکندریہ سے سینکڑوں میل دور ایک ایسی سرزمین میں کھڑے تھے جہاں سفر دشوار تھا اور پانی کمیاب لیکن ان کی ہمت جوان تھی اب ان کی نظریں افریقیہ (تونس، الجزائر اور مراکش) کے افق پر جمی ہوئی تھیں۔ انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا کہ ہم نے طرابلس تک فتح حاصل کر لی ہے، یہاں سے افریقیہ کی حدود نو۹ دن کی مسافت پر ہیں اگر اجازت ہو تو ہم ادھر (شمالی افریقیہ) کا رخ کریں۔ امیر المومنین نے جواب میں لکھا:

"افریقیہ میں قدم نہ رکھو، یہ ملک اختلاف و افتراق کا مرکز ہے اور وہاں

کے لوگ کبھی متحد نہیں رہتے۔ وہاں کا پانی سخت دلی پیدا کرتا ہے اسے جو بھی پیئے گا اس کا دل سخت ہو جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد بہت سے رومی اپنے گھر بار چھوڑ کر بحری راستے سے قیصر کی سلطنت میں چلے گئے تھے مسلمانوں کو ان کے چھوڑے ہوئے بہت سے مکان حویلیاں اور محل خالی ملے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ میں اسکندریہ کو دارالحکومت بنانا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں رہائش کا تسلی بخش انتظام ہے لیکن انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی اور لکھا:

"میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم مسلمان غازیوں کو ایسی جگہ آباد کرو جس کے اور میرے درمیان گرمی یا جاڑے میں کوئی دریا حائل ہو۔"

اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک نیا شہر "فسطاط" آباد کیا اور اسی کو مستقرِ حکومت بنایا۔ یہ شہر کیسے آباد ہوا، اس کی تفصیل علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں اس طرح بیان کی ہے:

"عمروؓ بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے۔ یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت میں کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملہ کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمہ میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریکؓ بن سمی، عمرو بن مخزوم اور ابنِ ناشرہ کو متعین کیا کہ جس جس قبیلہ کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہؓ نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں زبیرؓ، مقدادؓ، عبادہؓ، ابو درداءؓ اور بڑے بڑے اکابر شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔

تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔ عمروؓ بن عاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سنہ ۲۱ ہجری ہے۔ فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔"

فسطاط کی تعمیر شروع ہوئی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے دریائے نیل کے مغربی کنارے پر (فسطاط کے بالمقابل) ایک عارضی چھاؤنی بنائی جس میں قبائل حمیر، ہمدان، آل رعین، ازدبن حجر اور حبشہ کے تھوڑے سے لوگ رکھے گئے۔ یہ اس غرض سے کیا گیا کہ مسلمانوں کو تعمیر فسطاط میں مشغول پاکر مغرب کی طرف سے کوئی دشمن دریا کی راہ سے چڑھ نہ آئے۔ جب نیا شہر بس گیا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے ان قبائل کو فسطاط میں بلاکر آباد کرنا چاہا لیکن ان لوگوں کو دریا کا مغربی کنارہ اتنا بھایا کہ اس کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس چھاؤنی کا نام جنیرہ پڑ گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ خط لکھا:

"تم نے یہ کیسے گوارا کیا کہ تمہاری فوج تم سے الگ رہے اور تمہارے اور اس کے درمیان دریا ہو، کیا خبر ان پر اچانک کوئی مصیبت آپڑے اس وقت شاید تم ان کی مدد نہ کرسکو اور ان کو نقصان پہنچ جائے۔ لہٰذا ان کو فسطاط بلالو اور اگر وہ تیار نہ ہوں تو ان کی بستی کے چاروں طرف سرکاری روپیہ سے ایک قلعہ بنوا دو۔"

چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے وہاں ایک قلعہ بنوا دیا لیکن قبیلہ ہمدان اور کچھ دوسرے قبیلوں کے لوگوں نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے ہمارے قلعے خود ہماری تلواریں ہیں چنانچہ یہ لوگ قلعہ کے باہر کھلے میدان میں

بس گئے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ جلد ہی یہ ایک پُر فضا اور بارونق شہر بن گیا جس کو باغوں نے گھیر رکھا تھا۔

جب فسطاط آباد ہو گیا تو مصر کے سابق والی مقوقس نے حضرت عمرو بن العاص سے درخواست کی کہ کوہِ مقطم کے دامن کی بنجر اراضی میرے ہاتھ بیچ دیں میں اس کے لیے ستر ہزار دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا، مصر کی زمین تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ اس کا کوئی بھی حصہ نہیں بک سکتا۔ پھر بھی میں امیر المومنین کو لکھتا ہوں اگر انہوں نے اجازت دے دی تو تمہارے ہاتھ یہ زمین فروخت کر دوں گا۔

جب یہ معاملہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے لکھا:

"مقوقس سے پوچھو کہ وہ اس ناکارہ زمین کی اتنی زیادہ قیمت کیوں دے رہا ہے نہ اس میں پانی ہے اور نہ یہ زراعت کے لائق ہے۔"

حضرت عمرو بن العاص نے مقوقس سے جب یہ سوال کیا تو اس نے بتایا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہاں جنت کے پودے لگائے جائیں گے (یعنی عیسائیوں کا قبرستان بنے گا)۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس جواب سے مطلع کیا گیا تو انہوں نے لکھا:

"میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کے علاوہ اور کون جنت کا پودا ہو سکتا ہے لہٰذا فسطاط میں جو مسلمان فوت ہوں انہیں مقطم کے دامن میں دفن کرو اور کسی قیمت پر اسے نہ بیچو۔" (حسن المحاضرہ للسیوطی)

حضرت عمر فاروقؓ نے تمام گورنروں کو حکم دیا تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں وہ تمام گورنروں کی موجودگی میں مجمع عام میں اعلان کرتے تھے کہ جس کو کسی گورنر سے شکایت ہو پیش کرے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے ہی موقع پر لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، "لوگو! میں تم پر جن لوگوں کو حاکم بنا کر بھیجتا ہوں ان کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ تم کو تھپڑ ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ اس لیے کہ وہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ اگر کسی گورنر یا حاکم نے اس کے خلاف کیا تو

بلا جھجک اُٹھ کر بیان کرو تاکہ میں اس کا تدارک کروں۔"

حضرت عمرؓو بن العاص بھی اس موقع پر موجود تھے انہوں نے اٹھ کر کہا، امیرالمؤمنین اگر کوئی عامل کسی کو تادیب کے طور پر مارے تو کیا آپ اس کا بھی محاسبہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم میں اس کو بھی سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق مت تلف کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت کریں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام گورنر حاضر تھے، ایک مصری نے اٹھ کر شکایت کی کہ گورنر نے مجھ کو بلا قصور سَو کوڑے مارے۔ حضرت عمرؓ نے مصری سے پوچھا، کیا تم بھی قصاص میں سَو کوڑے مارنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا، بے شک حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم مجمع عام میں گورنر کو سَو کوڑے مار سکتے ہو۔

حضرت عمرؓو بن العاص نے عرض کیا، "امیرالمؤمنین! یہ امر عُمّال پر گراں گزرے گا اور آئندہ کے لیے نظیر قائم ہو جائے گی اس طرح حکومت کا نظم ونسق چلانا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں مستغیث کی داد رسی نہ کروں۔"

حضرت عمرؓو بن العاص نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک کوڑے کے عوض دو دو اشرفی لے لے اور اپنی شکایت واپس لے کر قصاص کا مطالبہ چھوڑ دے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس شکایت پہنچی کہ حضرت عمرؓو بن العاص کے بیٹے محمد بن عمرؓو نے گھوڑ دوڑ کے میدان میں ایک مصری کو یہ کہہ کر پیٹ دیا کہ تو شرفا کے بیٹوں کے منہ آتا ہے۔ (بروایتِ دیگر یہ کہہ کر اس کو کوڑے مارے "یہ لے میں ایک بڑے باپ کا بیٹا ہوں)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے شکایت کنندہ کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور حضرت عمرؓو اور محمد بن عمرؓو کو مصر سے بُلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے مصری کو طلب کر کے اس کے ہاتھ میں کوڑا دیا اور فرمایا "اس کوڑے سے اس بڑے باپ کے بیٹے کی خبر لے۔"

مصری نے محمدؓ بن عمروؓ پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے اس دوران میں حضرت عمرؓ برابر فرماتے رہے :

" ہاں مار اس بڑے باپ کے بیٹے کو ۔"

جب وہ مار چکا اور کوڑا حضرت عمر فاروقؓ کو واپس کرنے لگا تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :

" ایک دو کوڑے اس کو بھی رسید کر کیونکہ اسی کے بل پر برخوردار نے تمہیں کوڑے مارنے کی جراءت کی ۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے عرض کی " امیر المؤمنین انصاف کا حق ادا ہو گیا ۔"

مصری نے بھی کہا کہ امیر المؤمنین مجھ پر جس نے ظلم کیا تھا، میں نے اس سے بدلہ لے لیا، اب اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے ۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا : " تیری مرضی ورنہ تو ان کو بھی مارنا چاہتا تو میں تجھ کو نہ روکتا ۔"

اس کے بعد انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے بیٹے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

" تم نے ان لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا ۔"

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ سے، جو مصر میں مقیم تھے، شراب پینے کی لغزش سرزد ہو گئی ۔ ہوش آیا تو بہت پشیمان ہوئے فوراً حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جرم کا اقرار کر کے ان سے درخواست کی کہ مجھ پر حد جاری کیجیے ۔ حضرت عمروؓ بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر ٹال دینا چاہا لیکن وہ اپنے آپ پر حد جاری کرانے پر اصرار کرتے رہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ان پر حد جاری نہ کی گئی تو وہ امیر المؤمنین (اپنے والد) سے شکایت کریں گے ۔ ان کی بات سن کر مجھے ڈر ہوا کہ اگر واقعی انہوں نے شکایت کی تو مجھ پر امیر المؤمنین کا عتاب

نازل ہوگا۔ چنانچہ میں نے ان کو اپنے مکان کے صحن میں بلا کر ان پر حد جاری کر دی اور انہوں نے خود مکان کے ایک گوشہ میں جاکر اپنا سر مونڈ لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو کسی ذریعے سے اس واقعہ کی اطلاع مل گئی اس پر انہوں نے مجھے یہ عتاب نامہ بھیجا:

"امیر المؤمنین عبداللہ عمر کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام ——
اے ابن عاص! مجھ کو تمہاری جرأت اور عہد نہ نباہنے پر تعجب ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ تم معزول کر دیئے جانے کے سزاوار ہو۔ تم نے عبدالرحمٰن پر اپنے مکان کے اندر حد جاری کی اور وہیں اس کا سر مونڈا حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس قسم کی رعایت میرے اصول کے خلاف ہے۔ عبدالرحمٰن تمہاری رعیت کا ایک فرد تھا اس لیے تم پر لازم تھا کہ تم اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتے جس طرح دوسروں کے ساتھ کرتے ہو لیکن تم نے اس بناء پر اس سے رعایت کی کہ وہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے حالانکہ تم کو علم ہے کہ حق کے معاملہ میں میرے یہاں کسی کے ساتھ رو رعایت نہیں ہے۔ اب میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ میرا خط ملتے ہی عبدالرحمٰن کو قَتَب (چھوٹے تکلیف دہ کجاوہ یا کاٹھی) پر بٹھا کر مدینہ روانہ کر دو تاکہ میں اس کو قرار واقعی سزا دوں۔"

میں نے اس عتاب نامہ کے جواب میں ایک خط لکھا جس میں اپنی غلطی کا اقرار کیا اور امیر المؤمنین سے معافی مانگی۔ یہ معذرت نامہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ بھیجا اور انہی کے ساتھ عبدالرحمٰنؓ کو روانہ کر دیا۔

چونکہ عبدالرحمٰنؓ کو امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق صرف کاٹھی پر سوار کر کے بھیجا گیا تھا اس لیے وہ مدینہ پہنچتے پہنچتے بیمار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے سفارش کی کہ امیر المؤمنین ان پر حد جاری ہو چکی ہے اب ان کو مزید سزا نہ دی جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی سفارش نہ مانی اور تادیب کے طور پر ان کو سزا دی اور کچھ عرصہ کے لیے قید میں بھی رکھا۔ محمد حسین ہیکل نے "الفاروق عمرؓ" میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ

اس سزا کی وجہ سے بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔
لیکن ایک رائے یہ ہے کہ عبدالرحمٰنؓ چھ ماہ قید رہ کر اچھے ہو گئے۔ پھر بیمار پڑے اور وفات پائی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۱۱)

امارتِ مصر کے زمانہ میں حضرت عمرو بن العاص کا ایک بڑا کارنامہ "نہر امیر المؤمنین" کی تعمیر ہے جس کے ذریعے دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ملا دیا گیا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ ہجری میں مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں خشک سالی نے قیامت ڈھادی۔ نالے ندیاں جن سے مدینہ کے کھیت اور نخلستان سیراب ہوتے تھے، سوکھ گئے۔ تاجروں نے مدینہ آنا بند کر دیا۔ انسان اور مویشی سوکھ کر کانٹا بن گئے۔ بازار میں کھانے پینے کی چیزیں نہ ملتیں اور اگر ملتیں تو گراں قیمت پر۔ ساٹھ ہزار بدو بھوک سے بے تاب ہو کر صحراؤں سے نکل پڑے اور مدینہ کو گھیر لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس قحط پر قابو پانے کے لیے عراق، شام اور مصر کے گورنروں سے مدد طلب کی۔ امیر معاویہؓ والیٔ شام نے غلّہ سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور اتنے ہی کپڑے بھیجے۔ والیٔ کوفہ نے دو ہزار اونٹ بھیجے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص نے اونٹوں کا ایک بہت بڑا قافلہ غلّہ اور کپڑوں سے لدا کر بھیجا۔ چونکہ مصر سے خشکی کا راستہ بہت دور تھا اس لیے غلّہ پہنچنے میں دیر ہوئی تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو یہ خط لکھا:

"عبداللہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے عمرو بن العاص کو سلام علیک۔
میری جان کی قسم عمرو! اگر تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا پیٹ بھرا رہے اور میں اور میرے ساتھی بھوکوں مریں تو تمہیں پروا نہ ہو۔ المدد المدد۔"

ایک اور روایت کے مطابق اس خط کے الفاظ یہ تھے:

"مدد، مدد، عربوں کی مدد، اونٹوں کا ایک قافلہ جس کا اگلا حصہ میرے پاس

ہو اور پچھلا تمہارے پاس، عباؤں میں آٹا بھر کر میرے پاس روانہ کرو۔"
(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط۔ بحوالہ مدونتہ الکبریٰ)

حضرت عمروؓ بن العاص نے اس خط کا یہ جواب دیا:

" لبیک لبیک یا امیر المؤمنین — جلد ہی آپ کے پاس غلہ سے لدے ہوئے اونٹوں کا اتنا بڑا قافلہ پہنچے گا کہ اس کا اگلا حصہ آپ کے پاس ہوگا اور پچھلا میرے پاس — مجھے اُمید ہے کہ ایسی صورت بھی نکل آئے گی کہ آپ کے پاس سمندر کی راہ سے غلہ بھیج سکوں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ کو سمندری راستہ کے بارے میں حضرت عمروؓ بن العاص کا ارادہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی لیکن چند دن کے بعد انہیں حضرت عمروؓ بن العاص کا خط ملا کہ سمندری راستہ کا کھولنا اتنا دشوار اور مہنگا ہے کہ اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ سخت غضب ناک ہوئے اور حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ

" نیل سے سمندر تک نہر کھدواؤ چاہے اس پر تمہیں مصر کا سارا خراج صرف کرنا پڑے۔"
(حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ ابن زولاق)

علامہ سیوطیؒ نے "حسن المحاضرہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سلسلہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کو مدینہ منورہ طلب کیا۔ جب وہ آئے تو فرمایا " اگر ایک نہر کھود کر دریائے نیل کو سمندر سے ملا دیا جائے تو مکہ اور مدینہ میں مصر سے غلہ آنے میں آسانی ہوگی اور عرب میں قحط اور گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ لانا دقت سے خالی نہیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر واپس جا کر فوراً کام شروع کر دیا اور فسطاط کے قریب دریائے نیل سے بحیرہ قلزم تک تقریباً ۶۹ میل لمبی نہر چھ ماہ کے اندر تیار کرا دی۔ جہاز اس نہر کے ذریعے دریائے نیل سے چل کر بحر قلزم میں آتے تھے اور وہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر انداز ہوتے تھے۔ یہ نہر " نہر امیر المؤمنین" کے نام سے مشہور ہوئی اور مدتوں جاری رہی۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ مصر اور مدینہ میں غلہ کا بھاؤ ایک ہو گیا اور مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ سالہا سال بعد حکام کی لاپروائی سے یہ

نہر بند ہو گئی۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ:

" ایک عجیب بات یہ ہے کہ عمروؓ بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قلزم کو براہِ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں سمندروں کو ملا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمروؓ بن العاص کو اجازت مل ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے امارتِ مصر کے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیے۔ ملک خوش حال تھا اور رعایا بھی ہمیشہ ان سے خوش رہی۔ البتہ حضرت عمر فاروقؓ اس بات کے شاکی تھے کہ مصر کی شادابی، زرخیزی اور وسعت کی نسبت سے خراج کم وصول ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں حضرت عمروؓ بن العاص کو کئی سخت خط لکھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو ان خطوط کی سخت عبارت ناگوار گزری اور انہوں نے بھی ان کے جواب سخت لہجے میں دیئے۔ اپنے جوابی خطوط میں انہوں نے تقلیلِ خراج کے وجوہ تفصیل سے بیان کیے اور امیر المؤمنینؓ سے درخواست کی کہ وہ انہیں امارتِ مصر کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں لیکن امیر المؤمنینؓ نے ان کی درخواست منظور نہیں کی البتہ اپنے عہدِ خلافت کے آخر میں انہوں نے مصر کے ایک چھوٹے حصے "صعیدِ مصر" پر عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو والی بنا دیا، تاہم مصر کے بڑے حصے کی امارت پر حضرت عمروؓ بن العاص ہی فائز رہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ خط لکھا:۔

" مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اونٹ بکریاں گائیں گھوڑے اور

غلام ہو گئے ہیں جو گورنری سے پہلے نہ تھے اور نہ تمہیں تنخواہ میں دیئے گئے پھر یہ دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی۔ میرے پاس تم سے بہتر ایسے دیرینہ مہاجر تھے جن کو میں گورنر مقرر کر سکتا تھا لیکن اگر یہ عہدہ تمہارے فائدہ اور ہمارے نقصان کے لیے ہے تو پھر کیوں تمہیں ان مہاجرین پر ترجیح دی جائے، بہت جلد لکھو کہ یہ دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے اس خط کا یہ جواب بھیجا:

"امیرالمؤمنین آپ نے میرے تموّل کے بارے میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ یہاں چیزیں سستی ہیں اور آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں (جن سے مالِ غنیمت برابر حاصل ہوتا رہتا ہے) پس انداز کیے ہوئے روپیہ سے میں نے یہ سامان جمع کر لیا ہے اگر آپ کی خیانت درست ہوتی تب بھی میں خیانت نہ کرتا کیونکہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ آپ کے پاس مجھ سے بہتر مہاجرین اوّلین تھے تو آپ نے یہ عہدہ ان کو کیوں نہیں دیا، میں نے تو اس کے لیے آپ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا تھا۔"

حضرت عمر فاروقؓ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو یہ فرمان دے کر حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس مصر بھیجا کہ اپنا سارا مال ان کے سامنے رکھ دو یہ اس میں سے آدھا (بروایتِ دیگر جس قدر مناسب سمجھیں گے) بیت المال کے لیے لے لیں گے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو اس کارروائی پر ملال تو بہت ہوا لیکن انہوں نے امیرالمؤمنین کے فرمان کی تعمیل کی اور اپنا سارا مال حضرت محمدؓ بن مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے اس میں سے آدھا (یا کسی قدر) لے لیا اور باقی واپس کر دیا۔

(اصابہ، کنزالعمال، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ ابن ابی الحدید)

مصر میں بہت سے صحابۂ کرامؓ نے مستقل سکونت اختیار کر لی تھی حضرت عمروؓ بن العاص

ان کا بے حد اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ان کی سخت باتیں بھی بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ اگر کبھی کوئی صحابی کوئی خلافِ قانون کام کر بیٹھتے تو وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے امیر المؤمنینؓ سے ضرور اجازت لے لیتے۔ ایک دفعہ حضرت شریک بن سمیؓ ان کے پاس آئے اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا، آپ کو حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے آپ کا کام ضرورت کے وقت کفار سے جہاد کرنا ہے زراعت کرنے کی آپ کو اجازت نہیں ہے۔ حضرت شریکؓ نے ممانعت کے باوجود کھیتی باڑی شروع کر دی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی شکایت امیر المؤمنین کو لکھ بھیجی۔ انہوں نے حضرت شریکؓ کو مدینہ طلب کیا جب وہ آئے تو ان سے کہا:

"میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ مصر کے لوگ عبرت پکڑیں گے۔"

حضرت شریکؓ نے اپنے کام پر ندامت کا اظہار کیا اور معافی مانگی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ کو لکھا:

"شریک بن سمی میرے پاس آئے اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور معذرت کی۔ میں نے ان کی معذرت قبول کر لی ہے۔"

ایک مرتبہ ایک صحابی حضرت غرفہؓ بن حارث نے مصر کے ایک ذمی رئیس کو دعوتِ اسلام دی۔ اس نے دعوت قبول کرنے کی بجائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز الفاظ کہے۔ حضرت غرفہؓ نے طیش میں آکر اس کو قتل کر دیا۔ معاملہ حضرت عمروؓ بن العاص کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت غرفہؓ سے فرمایا کہ آپ کو قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے تھا۔ ہم ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت کے ضامن ہیں۔ حضرت غرفہؓ نے کہا، یہ درست ہے لیکن کسی ذمی کو یہ حق نہیں کہ وہ اسلام یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے۔ حضرت عمروؓ بن العاص خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت غرفہؓ نے ان کے خلاف حضرت فاروقؓ کو یہ شکایت بھیجی کہ عمروؓ بن العاص ہمارے سامنے مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ مجھ سے شکایت کی گئی ہے کہ

تم مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھتے ہو، ایسا نہ کیا کرو۔ اس طرح بیٹھو جیسے اور لوگ بیٹھتے ہیں۔
(ابن عساکر)

ارباب سیر و تاریخ نے حضرت عمرؓو بن العاص کی امارت مصر کے زمانہ کے اور بھی بہت سے واقعات بیان کیے ہیں ان سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عُمّال پر کس قدر کڑی نظر رکھتے تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓو بن العاص نے ہمیشہ امیر المؤمنینؓ کے احکام کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا اور ان سے انحراف کا کبھی دل میں خیال تک نہ لائے۔ ان کو کسی معاملہ میں کوئی مشکل یا الجھن پیش آئی تو فوراً امیر المؤمنین کو لکھ بھیجتے اور وہاں سے جو حکم آتا اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

(۱۲)

۲۴ سنہ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر حضرت عمرؓو بن العاص کو لکھا کہ مصر کی شادابی اور زرخیزی کی نسبت سے خراج کی رقم کم وصول ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے جواب میں لکھا کہ:

"گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔"

یہ جواب ملنے پر حضرت عثمانؓ نے خراج کی وصولی کے فرائض ان سے لے کر عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو تفویض کر دیے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمرؓو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہؓ بن سعد کو سارے مصر کا مستقل والی مقرر کر دیا۔ عبداللہؓ بن سعد نے خراج کی جو رقم مرکز کو بھیجی وہ اس رقم سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت عمرؓو بن العاص بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مصر سے مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی تو امیر المؤمنینؓ نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اس موقع پر دونوں بزرگوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، مؤرخ یعقوبی نے اس کی تفصیل اس طرح دی ہے:

حضرت عثمانؓ: تم نے عبداللہ بن سعد کو کس حال میں چھوڑا؟